

وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ ۝ مَذْهَبُ
اور جو منکر ہو ایمان سے تو منافع ہوئی محنت اس کی

ایمان اور کفر

قرآن کی روشنی میں

حضرت مولانا مفتی

محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مفتی اعظم پاکستان

ایمان اور کفر کی حقیقت

اسلام اور مسلمان کی تعریف

اور متعلقہ مباحث کی تحقیق

إِذْ أُنْزِلَ الْمَعْرَافُ بِحُرَابِجٍ

”وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ“
(نور)
اور جو کفر ہوا ایمان سے تو ضائع ہوئی محنت اس کی۔

ایمان اور کفر قرآن کی روشنی میں

ایمان اور کفر کی حقیقت، اسلام اور مسلمان کی تعریف
اور متعلقہ مباحث کی تحقیق

حضرت انا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا

جملہ حقوق ملکیت بحق اِذَا زَالَمَ الْمَعْجَارُ فَيَكْرُ اُجْحٰ محفوظ ہیں

باہتمام : مَجْلِسُ اِذَا زَالَمَ الْمَعْجَارُ فَيَكْرُ اُجْحٰ
طبع جدید : محرم ۱۴۲۸ھ - فروری ۲۰۰۷ء

مطبع : زمزم پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر : اِذَا زَالَمَ الْمَعْجَارُ فَيَكْرُ اُجْحٰ

فون : 5049733 - 5032020

ای میل : i_maarif@cyber.net.pk

ملنے کے پتے:

* اِذَا زَالَمَ الْمَعْجَارُ فَيَكْرُ اُجْحٰ

فون: 5049733 - 5032020

* مَجْلِسُ اِذَا زَالَمَ الْمَعْجَارُ فَيَكْرُ اُجْحٰ

فون: 5031565 - 5031566

[Website: DifaAhleSunnat.com]

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۳۶	ائمہ اسلام کی مزید شہادتیں {	۷	مقدمہ
۳۸	زندقہ کے کفر ہونے پر	۷	ایک قوم کو دوسری
۵۹	مسئلہ تکفیر اہل قبلہ	۷	قوم سے جدا
۵۹	کسی مدعی اسلام کی تکفیر {	۱۳	کرنے والے اصول
۶۱	میں انتہائی احتیاط!	۱۸	ایمان اور کفر کی تعریف
۶۱	تکفیر مسلم خود کفر ہے	۱۹	فائدہ متعلقہ ختم نبوت
۶۳	ایک شبہ اور جواب	۱۹	مؤمن و کافر کی تعریف
۶۵	احتیاط کا دوسرا پہلو	۲۰	اور کفر کی اقسام {
۶۵	فوائد ضروریہ منقول از {	۲۲	تعریفات
۶۸	رسالہ وصول الافکار	۲۲	اسلام و ایمان اور مسلم
۶۸	سوال اول	۲۳	و مؤمن میں فرق
۶۸	الجواب!	۲۳	ثبوت قطعی
۷۳	ضابطہ تکفیر	۲۳	ثبوت بدیہی
۷۴	تمتہ مسئلہ از امداد {	۲۳	ضروریات دین
۷۶	الفتاویٰ (جلد سادس)	۲۳	تنبیہ
۷۶	خلاصہ رسالہ مع {	۲۴	کفر اور کافر کی اقسام
۷۸	جواب بعض شبہات	۲۵	کفر، زندقہ و الحاد
۷۸	یہ کافر بنانا نہیں بتانا ہے!	۲۷	تاویل اور تحریف میں فرق

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى

خصوصاً علی سیدنا محمد المصطفیٰ ومن یتہدیہ ھتدی

ایمان، اسلام، کفر کے الفاظ جتنے ہر طبقہ میں متعارف ہیں کہ ہر فرقے کے اُن پڑھ جاہل تک ان کو جانتے ہیں، اتنا ہی ان کی جامع مانع تعریف کرنا دشوار بھی ہے۔ اور یہ صرف کفر و ایمان کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ عام متعارف اور زبان زد الفاظ جن کے معانی سمجھنے میں کسی بچہ کو بھی کوئی شک و شبہ نہیں ہوتا، جیسے ٹوپی، کرتہ، پاجامہ، جوتہ، مکان، میز، کرسی، لوٹا، گلاس وغیرہ، لیکن اگر انہیں الفاظ میں سے کسی لفظ کی جامع مانع تعریف کا سوال پیدا ہو تو بڑے سے بڑا ماہر چکرائے گا اور پورے غور و فکر کے بعد بھی جو تعریف کرے گا اُس میں یہ خطرہ رہے گا کہ شاید اس کے مفہوم کے بعض افراد رہ گئے ہوں یا غیر مفہوم کے افراد اس میں داخل ہو گئے ہوں۔

علمائے سلف، مفسرین، محدثین، فقہاء و متکلمین نے ایمان و اسلام کی مکمل تعریف، پھر کفر کی تعریف اور اس کی اقسام پر طویل مباحث اور مستقل رسالے لکھے ہیں۔ اس آخری دور میں مخزنِ علوم اسلامیہ، سند العلماء، استاذ الاساتذہ سیدی و استاذی حضرت العلامہ مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ سابق صدر المدِرسین دارالعلوم دیوبند نے اس موضوع پر ایک نہایت مکمل اور مفصل کتاب بنام ”اِکْشْفَاؤُ

المُلْحِدِیْن“ تصنیف فرمائی ہے، سبب تصنیف یہ تھا کہ کفر کی ایک خاص قسم جس کو زندقہ یا الحاد کہتے ہیں۔ اور یہی اس زمانہ کا کفر نفاق ہے۔ اس کو اسلام و ایمان سے ممتاز کرنا اور مسلمان اور زندیق میں فرق کرنا ہمیشہ غور طلب مسئلہ رہا ہے، اور اس زمانہ میں علوم قرآن و حدیث سے عام نادانیت کی بناء پر یہ اور بھی مشکل ہو گیا، ملحدین اور زنداقہ کی بن آئی کہ اسلام کے بھیس میں بدترین کفر کی تبلیغ کرتے رہیں اور مسلم معاشرہ کا جزء بنے رہیں اور مسلمانوں کے مار آستین بن کر ان کو ڈستے رہیں۔ بہت سے نیک دل مسلمان بھی اس فتنہ کا شکار ہونے لگے کہ جو شخص بھی اپنے آپ کو مسلمان کہے اس کو مسلمان سمجھنا چاہئے خواہ وہ عقائد و اعمال کچھ بھی رکھتا ہو، اور آج کل کے عرف میں اس کو سیاسی دانشمندی سے تعبیر کیا جاتا ہے، لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ”اسلام“ کسی حقیقت یا عقیدہ و نظریہ کا نام نہیں بلکہ ایک بے معنی لفظ ہے، جس کا جی چاہے اپنے عقائد، اپنے خیالات، اپنے اعمال پر قائم رہتے ہوئے ”مسلمان“ ہو سکتا ہے، اسلام اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتا۔

اس فتنہ کے ہولناک نتائج اسلام اور مسلمانوں کے لئے جس قدر تباہ کن تھے وہ محتاج بیان تھے، اس لئے کفر کی اس قسم کو جو اسلام کے لباس اور اسلام کے دعویٰ کے ساتھ عمل میں آتی ہے پوری طرح واضح کرنا وقت کا ایک اہم مسئلہ بن گیا۔ خصوصاً اس معاملہ میں دو چیزیں ایسی تھیں کہ ان میں عوام سے گزر کر بعض خواص اہل علم بھی اشتباہ میں پڑ سکتے ہیں۔

الف:- عام طور پر فقہاء و علماء کی تصریحات موجود ہیں کہ جو شخص کسی عقیدہ کفریہ کا قائل ہو مگر صاف طور پر نہیں بلکہ تاویل کے ساتھ قائل ہو اس کو کافر نہ کہا جائے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جو شخص بھی دعوائے اسلام کے ساتھ کسی کافرانہ عقیدہ و قول کو اختیار کرتا ہے تو کسی نہ کسی تاویل کی آڑ لے کر ہی اختیار کرتا ہے، اس کا نتیجہ پھر وہی نکلتا ہے کہ کسی مدعی اسلام کو کافر کہنا جائز نہ ہو، حالانکہ نصوص و قرآن و حدیث

اس کے خلاف شاہد ہیں، اس لئے ضرورت تھی کہ فقہاء و متکلمین کے اس متفقہ اصول کی وضاحت کی جائے کہ تاویل کے ساتھ کسی عقیدہ کفریہ کا قائل ہونا موجب کفر نہیں۔

ب:- یہ مسئلہ بھی ایک صحیح و صریح حدیث سے ثابت اور علماء و فقہاء کے نزدیک مسئلہ ہے کہ کسی اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے، اس کا نتیجہ بھی بظاہر یہی نکلتا ہے کہ جو مدعی اسلام کعبہ کو اپنا قبلہ قرار دے پھر خواہ وہ اللہ اور رسول کے بارے میں کیسے ہی غلط عقائد رکھتا ہو اور توہین کرتا ہو، اس کو کافر نہ کہا جائے۔

یہ دونوں شبہات چونکہ علمی رنگ کے ہیں اس لئے اور بھی ضروری ہوا کہ ان کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے، اس لئے حضرت الاستاذ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور ایسی بے نظیر کتاب تصنیف فرمائی کہ اس سے پہلے کوئی کتاب اتنی جامع نظر نہیں آئی۔

مگر اس کے ساتھ ہی اول تو یہ کتاب عربی زبان میں ہے، دوسرے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی اس رفعت علمی کی آئینہ دار ہے جس تک پہنچنے کے لئے خود ایک بڑا علم درکار ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ عوام تو اس کے استفادہ سے محروم تھے ہی، روز بروز استعداد علمی کے تناقص نے اکثر اہل علم کو بھی محروم کر دیا، اس تصنیف کے شائع ہونے کے بعد ہی سے بہت سے حضرات کا مطالبہ تھا کہ اس کے مضامین کو آسان ترتیب کے ساتھ سلیس اُردو میں لکھا جائے، بہت سے دوستوں نے احقر کو بھی اس ضرورت کی طرف توجہ دلائی، اور خود بھی اس کی ضرورت کا احساس پہلے سے تھا۔

لیکن بحکم قضاء و قدر یہ کام آج تک تعویق میں پڑا رہا، اب جبکہ پاکستان میں قادیانی فتنہ نے نیا جنم لیا (۱) اور کفر و اسلام میں تلخیص کرنے والے پرانے شکاری

(۱) اور پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں مسلمان اور کافر اور اسلام اور کفر کی تعریف کے متعلق سوالات کئے گئے۔ ۱۲ منہ

نئے جال لے کر میدان میں آئے تو یہ مسئلہ اسلامیانِ پاکستان کے لئے پھر از سر نو معرکہ بحث بن گیا، اس وقت ضرورت کا احساس دوچند ہو گیا، اور بنام خدا تعالیٰ زیر نظر اوراق کی کتابت شروع کی۔

اس میں استاذِ محترم کے تمام موادِ بحث اور تحقیقات کو پورا لے لیا گیا ہے مگر ترتیب و بیان سب اس ناکارہ کا ہے، اور استاذِ محترم کا روئے سخن چونکہ ایک خاص فتنہ اور خاص اعتراضات کے جواب کی طرف تھا اس لئے اسلام و ایمان یا کفر اور اس کی اقسام کی پوری تحقیق اس کتاب میں نہ تھی، اس کا احقر نے اضافہ کیا اور کسی خاص فرقہ کے عقائد و خیالات کو مدارِ بحث بنائے بغیر عمومی اور کلتی طور پر مسئلہ کفر و اسلام کو واضح کرنے کی کوشش کی اور اب الحمد للہ یہ کتاب مسئلہ کفر و اسلام کی تمام تر ضروری مباحث پر حاوی اور ازالہ شبہات کے لئے کافی ہو گئی ہے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ ولی التوفیق و هو بہ حقیق!

بنائے پاکستان کے وقت مسئلہ کفر و اسلام کے ساتھ ایک اور بحث کا دروازہ کھلا کہ دنیا میں قوموں کی تقسیم و تفریق نسل و وطن اور رنگ و لسان کی بنیاد پر ہے یا مذہب یعنی کفر و اسلام کی بنیاد پر؟ پھر بنائے پاکستان کے بعد بھی یہ بحث مختلف صورتوں سے سامنے آتی رہی، اس لئے شروع میں اس مسئلہ پر بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک مختصر شدہ لکھا گیا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

مقیم کراچی، بمقام لاہور

جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ

جنوری ۱۹۵۷ء

مقدمہ

ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرنے والے اصول

تمام انسان اصل میں ایک قوم اور ایک ملت تھی، ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہوئے تھے، اور انسانیت کے ابتدائی دور میں سب کے نظریات و عقائد اور معاشی و معاشرتی اصول بھی ایک ہی تھے، سب ایک خدا کو ماننے والے اور اس کے احکام کو جو بذریعہ رسول ان تک پہنچے واجب الاتباع سمجھنے والے تھے۔ پھر جوں جوں ان کے افراد دنیا میں پھیلتے گئے اور ایک دوسرے سے دوری ہوتی گئی اور بڑھتے بڑھتے یہ دوری مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک پوری زمین کے اطراف پر حادی ہو گئی تو معاشی اور معاشرتی اصول میں فرق پڑا، بول چال میں اختلاف آیا، زبانیں مختلف ہو گئیں، اسی کے ساتھ عقائد و نظریات بھی متاثر ہوئے، خدا پرستی کی جگہ مخلوق پرستی کا دروازہ کھلا اور خدا کی مخلوق مختلف اقوام میں بٹ گئی اور قومیتوں کی جنگ شروع ہو گئی۔ اقوام کے باہمی تنازع کے ساتھ تعاون و تناصر کی ضرورت پیش آئی تو مختلف گروہوں نے مختلف اصول پر اپنے اپنے اعوان و انصار بنائے، شروع میں آبادی کی چار سمت مشرق، مغرب، جنوب اور شمال کے اصول پر دنیا میں چار قومیں سمجھی گئیں، پھر زمین کی سات اقلیموں کی بنیاد پر سات قومیں مانی گئیں (ملل و نحل، شہرستانی ص: ۲۰)، پھر کسی نے نسل و نسب کی بنیاد پر اپنی قوم کو یکجا کر کے دوسرے قبائل و انساب کے مقابلہ پر نیرد آ کر دیا، کسی نے جغرافیائی اور وطنی یا لسانی بنیادوں پر لوگوں کو اپنی قوم

بنالیا، اور جوان بنیادوں میں ان سے مختلف تھے ان کو جداگانہ اور حریف قوم قرار دیا۔ کسی نے نظریات و عقائد کو قومیت کی بنیاد بنا کر مخلوق پرستوں کو ایک قوم بنایا اور خالص خدا پرستوں کو حریف قوم قرار دیا۔ ع

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی صلاح و فلاح کے لئے ہر قرن میں اور ہر اُمت میں اپنے انبیاء بھیجے:-

وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ (۲۴:۳۵)

ترجمہ:- ہر ایک اُمت میں (ہماری طرف سے) کوئی

ڈرانے والا ہو گزرا ہے۔

ان سب انبیاء کی ایک ہی تعلیم تھی کہ یہ خود ساختہ اختلافات ختم کر کے پھر ملت واحدہ بن جاؤ، مخلوق پرستی کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی پرستش کرو، نسلی، جغرافیائی اور لسانی امتیازات کو اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی نشانیاں اور صرف معاشرت میں سہولت پیدا کرنے کے اسباب اور نعمتیں سمجھو، ان کو قومی تفرقہ کی بنیاد نہ بناؤ۔ جس کو کچھ ماننے والوں نے مانا اور بد بختوں نے انکار و مقابلہ کی راہ اختیار کی، جس سے کفر و اسلام کی جنگ چھڑ گئی۔

ہمارے رسول خاتم الانبیاء ﷺ بھی تمام انبیاء کی سنت کے مطابق یہی پیغام لائے، اور سب سے زیادہ مؤثر طریقہ پر اس کو پھیلایا۔ قرآن نے ایک طرف تو نسلی، وطنی اور لسانی امتیازات کو آیاتِ قدرت اور نعمائے الہیہ کہہ کر ان کا صحیح مقام بتلایا کہ وہ معاشرت میں سہولت پیدا کرنے کے اسباب ہیں، قومیتوں کی بنیادیں نہیں ہیں، ملاحظہ ہوں ارشاداتِ قرآنیہ:-

۱:- وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

وَاخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَالْوَاوِيكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ

لِّلْعٰلَمِیۡنَ . (۲۲:۳۰)

ترجمہ:- اور اس کی نشانیوں میں سے زمین و آسمان کا پیدا کرنا ہے، اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا مختلف ہونا ہے، بیشک اس میں البتہ نشانیاں ہیں جہاں والوں کے لئے۔

۲:- وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوۡبًا وَّ قَبَاۡئِلَ لِتَعَارَفُوۡا . (۱۳:۴۹)

ترجمہ:- اور ہم نے تمہیں شاخوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم پہنچانے جاؤ۔

اور دوسری طرف قدیم وحدت کو از سر نو قائم کرنے کی دعوت دی، آیت مذکورہ بالا سے پہلے ارشاد ہوا:-

یٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَّکَرٍ وَّاُنْثٰی

..... الخ . (۱۳:۴۹)

ترجمہ:- اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک ہی ماں باپ کے جوڑے سے پیدا کیا۔

خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقْ مِنْهَا زَوْجَهَا .

(۱:۴)

ترجمہ:- تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کے جوڑے کو۔

رسول کریم ﷺ نے اپنی آخری عمر میں حجۃ الوداع کا خطبہ دیتے ہوئے جہاں اسلامی دستور کے اور بنیادی اصول بتلائے وہیں یہ بھی ارشاد فرمایا:-

ایہا الناس! ربکم واحد، لا فضل لعربی علی

عجمی ولا لعجمی علی عربی، ولا لأحمر علی اسود

ولا لأسود علی احمر الا بالتقویٰ ان اکرمکم عند اللہ

اتفاق کم!

ترجمہ:- اے لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے، عربی کو عجبی پر اور عجبی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، اسی طرح کسی گورے کو کالے اور کالے کو گورے پر کوئی تفوق حاصل نہیں، مگر تقویٰ کی وجہ سے۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ مکرم اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو۔

الغرض اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا خلاصہ یہ تھا کہ فرقہ وارانہ اور صوباجاتی اختلافات کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا کو پھر ایک صحیح متحدہ قومیت کی طرف لائیں جو ان کے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی میراث تھی۔ اس کے لئے دو طریق اختیار کئے گئے۔

اول:- قومیتوں کی تقسیم و تفریق کی جو غلط بنیادیں نسلی، لسانی اور وطنی اصول پر لوگوں نے بنائی تھیں، ان کو یکسر باطل قرار دیا، کیونکہ اگر ان بنیادوں پر قوموں کی تقسیم اور انسانیت کا تفرقہ تسلیم کر لیا جائے تو اولاً تو یہ خلاف عقل ہے کہ کسی زمین یا کسی خاندان میں پیدا ہونے کی غیر اختیاری اور ضعیف وجہ سے کوئی شخص قومی اور اجتماعی معاملات میں دوسروں سے علیحدہ قوم سمجھا جائے۔ ثانیاً اگر انسان کی متحدہ قومیت میں اس کے تفرقے قبول کر لئے جائیں تو ان کو کسی وقت اور کسی حال میں مٹایا نہیں جاسکتا، جو شخص عرب یا عجم کے کسی خاندان میں پیدا ہو چکا ہے اب اس کے اختیار میں نہیں کہ دوسرے خاندان میں پیدا ہو جائے، اسی طرح جو ایشیا میں پیدا ہوا وہ یورپ میں دوبارہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ الغرض یہ جغرافیائی، وطنی، لسانی اور نسلی تفرقے بہت سی حکمتوں پر مبنی ہیں، ان کا مٹانا نہ کسی کے اختیار میں ہے اور نہ کسی عقلمند کو ان کے مٹانے کی کوشش کرنا چاہئے۔ ہاں! یہ ضروری ہے کہ ان امتیازات کی حد اور ان کا صحیح مقام پہنچانا چاہئے کہ ان کی غرض صرف معاشی و معاشرتی سہولتیں ہیں اور بس!

قومیتوں کی جدائی کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسرا طریق:- دعوتِ اتحاد کا یہ تھا کہ نظریات و عقائد کی بناء پر قومیت کی تفریق کا اصول تو تسلیم ہے کہ خدا کے ماننے والے، اس کے منکروں کے ساتھ مل کر ایک قوم نہیں ہو سکتے، بلاشبہ جو لوگ خدا اور اس کے رسولوں کے منکر ہوں گے وہ ماننے والوں سے علیحدہ دوسری ملت اور قوم قرار دیئے جائیں گے، قرآن نے اسی اصول کی بناء پر فرمایا:-

خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ. (۲:۶۳)

ترجمہ:- اس نے تم کو پیدا کیا، سو تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مؤمن۔

نیز ارشاد ہوا:

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا.

(۳:۷۶)

ترجمہ:- ہم نے بلاشبہ انسان کو راہ ہدائی، خواہ وہ

شکر گزار بنے یا ناشکر۔

اور ایک جگہ اسی نظریاتی اور عقائد کے اختلافات کی بناء پر ایک گروہ کو ”حزب اللہ“ اور دوسرے کو ”حزب الشیطان“ کا لقب دیا۔

الغرض عقائد و نظریات کے اختلاف کو قوموں کے تفرقہ کا سبب اصولی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے، پھر اس تفریق کو مٹانے کے لئے خدا پرستی کے اصول صحیحہ اور عقائدِ حقہ کی اشاعت و تبلیغ اور مخلوق پرستی یا انکارِ خدا اور رسول جیسے عقائدِ باطلہ کے مفساد اور ان کی دنیوی و اخروی تباہ کاری کو بیان کر کے خلقِ خدا کو ان سے بچانے کی تدبیریں اختیار کیں اور نصیحت و ہمدردی کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھا، جس کے ذریعہ ناعاقبت اندیش انسانوں کو تباہی کی طرف جانے والے راستہ سے روکا نہ گیا ہو۔

لیکن بہت سے بدنصیب اور بے بصیرت انسانوں نے اس ہمدردی کو دشمنی سمجھا اور عداوت و پیکار پر آمادہ ہو گئے، جس کے نتیجے میں کفر و اسلام کی جنگ چھڑ گئی۔ اب اگر کوئی شخص اس جنگ کو ختم کرنا چاہے تو اس کے دو ہی راستے ہیں، ایک یہ کہ خدا پرست اہل حق اپنے نظریہ کو چھوڑ کر منکروں اور کافروں کے سامنے ہتھیار ڈال دیں اور خدا کی مخلوق کو منکرین خدا کے حوالہ کر دیں، یعنی دوسرے لفظوں میں شفیق ڈاکٹر بیمار کی غلط روش سے عاجز آکر اپنے ہاتھ سے اس کو زہر پلا دے۔

یا پھر یہ صورت ہے کہ غلط کار منکرین خدا و رسول اپنی روش سے باز آجائیں، ان دونوں طریق میں سے پہلا طریق تو معقول نہیں، اور دوسرا اپنے اختیار میں نہیں، اس لئے یہ کفر و اسلام کا اختلاف اس وقت تک جاری رہنا ناگزیر ہے جب تک کہ منکرین خدا و رسول یا ہوش میں آجائیں یا ختم ہو جائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اسلام کی اصل دعوت حقیقت میں ایک اصلی اور صحیح متحدہ قومیت کی ہے جو وطنی اور لسانی بنیادوں پر نہیں بلکہ اصول صحیحہ اور عقائدِ حقہ پر مبنی ہے، جس میں خدا اور اس کے رسولوں کی مخالفت کا گزر نہ ہو، اس لئے جو لوگ اس متحدہ قومیت کے منشور سے جدا ہو گئے وہ جدا قوم اور جدا ملت کہلائے، یہیں سے دو قومی نظریہ پیدا ہو گیا جس نے پاکستان بنوایا۔

ہندوستان میں جنگِ آزادی کا سلسلہ ایک زمانہ سے جاری تھا مگر اس کے بعض علمبرداروں نے نور و ظلمت کے متضاد عناصر یعنی کفر و اسلام سے مرکب ایک غلط متحدہ قومیت کا نام معقول اور ناقابلِ عمل نظریہ بنا رکھا تھا، چند علمائے ربانی اس نظریہ کی عین گرما گرمی کے وقت بھی مسلمانوں کی ہمیشہ اسی دو قومی نظریہ کی طرف رہنمائی فرماتے رہے، مگر اس وقت یہ آواز نہ سنی گئی، اور بالآخر جنگِ آزادی کی بیل اسی وقت منڈھے چڑھی جبکہ مسلمانوں کی ایک جماعت اس صحیح دو قومی (ٹو نیشن) نظریہ کی قائل ہو کر اور اسی کو بنیاد قرار دے کر میدانِ عمل میں اتر آئی۔

پاکستان کے ہر باشندہ بلکہ دنیا کے سب مسلمانوں کو حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور قائد اعظم اور ان کے رفقاء کار میں سے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کا ہمیشہ شکر گزار رہنا چاہئے، جنہوں نے مسلمانوں کو صحیح راہ دکھائی اور اس کے نتیجے میں حق تعالیٰ نے ان کو ایک آزاد و خود مختار سلطنت بخشی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرنے کے اسباب دنیا میں مختلف سمجھے گئے تھے، لیکن اسلام نے اپنی تعلیمات سے واضح کر دیا کہ قوموں کی تفریق و تقسیم صرف ایک ہی اصول، یعنی خدا کو ماننے یا نہ ماننے کی بنیاد پر ہو سکتی ہے جس کا نام اسلام اور کفر ہے، دوسری کوئی چیز ایسی نہیں جو انسانیت کے ٹکڑے کر کے ان کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے۔ مقدمہ ختم ہوا اب اس رسالہ کا اصل مقصد شروع کیا جاتا ہے، واللہ الموفق والمعين!

ایمان اور کفر کی تعریف

یہ ظاہر ہے کہ خدا کو ماننا اس کی اطاعت و فرمانبرداری کا نام ہے، اور نہ ماننا نافرمانی کا، پھر خدا کی فرمانبرداری یعنی ”اس کی پسند و ناپسند کو پہچان کر پسندیدہ چیزوں کو اختیار کرنا اور ناپسندیدہ سے بچنا“ اس دنیا میں بغیر اس کے عاۓہ ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی پیغام لانے والا رسول آئے جو اس کی پسند و ناپسند کو ممتاز کر کے بتلا دے، کیونکہ انسان محض اپنی عقل سے تو اپنے باپ، بھائی اور بیٹے اور دوست کی پسند و ناپسند کو بھی ممتاز نہیں کر سکتا جب تک کہ خود اس کے کلام یا طرز عمل سے اس کا اظہار نہ ہو جائے تو پھر حق تعالیٰ جس کی ذات انسانی ادراک و دسترس سے بالاتر ہے، اس کی پسند و ناپسند کا ادراک انسان محض اپنی عقل سے کیسے کر سکتا ہے؟ یہی حکمت ہے انبیاء علیہم السلام کے دنیا میں بھیجے کی۔

الغرض اس دنیا میں خدا کے ماننے کا صرف ایک طریق ہے کہ اس کے

رسول کی لائی ہوئی ہدایات کو دل اور زبان سے تسلیم کرے، اسی کا نام ”اسلام“ ہے، اور اس کی ہدایات کو تسلیم نہ کرنے کا ہی نام ”کفر“ ہے۔

مذہب کا سب سے بڑا بنیادی مسئلہ ایمان و کفر ہے، اس لئے قرآن کریم نے اپنی سب سے پہلی سورۃ (بقرہ) کی سب سے پہلی آیات میں اسی مضمون کو بیان فرمایا، بلکہ پورے عالم کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا، مؤمن، کافر اور منافق، سورۃ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں مؤمنین کی شان میں، اور بعد کی دو آیتیں کفار کے بارے میں آئی ہیں، اور اس کے بعد تیرہ آیتیں منافقین کے حال میں ہیں۔ یہ تین گروہ حقیقت میں دو ہی ہیں کیونکہ کافر اور منافق اصل میں ایک ہی گروہ ہے، لیکن منافقین کی ظاہری صورت عام کفار سے مختلف ہونے کی بناء پر ان کا بیان علیحدہ کیا گیا، چونکہ کفار کا یہ گروہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے زیادہ خطرناک اور اشد ہے، اس لئے اس کے حالات کا بیان زیادہ تفصیل سے تیرہ آیتوں میں کیا گیا، یہ پوری انیس آیتیں ہو گئیں، ان میں سے چند مع ترجمہ درج ذیل ہیں:-

۱:- اَلَمْ يَكُنْ لَكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هٰدًى
لِّلْمُتَّقِيْنَ. الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا
اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ، وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُوْنَ. اُولٰٓئِكَ عَلٰى
هٰذَا مِنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (۵۲:۲)

ترجمہ:- یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں، راہ
بتانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو۔ وہ خدا سے ڈرنے
والے لوگ ایسے ہیں جو یقین لاتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور
قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں
سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ ایسے ہیں جو یقین رکھتے ہیں

اس وحی پر جو آپ کی طرف اُتاری گئی اور اس وحی پر بھی جو آپ سے پہلے اُتاری گئی اور آخرت پر بھی وہ لوگ یقین رکھتے ہیں۔ بس یہ لوگ ہیں ٹھیک راہ پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ملی ہے اور یہ لوگ ہیں پورے کامیاب۔

۲:- إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ. خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ.

(۷۶:۲)

ترجمہ:- بے شک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہ لائیں گے۔ بند لگا دیا اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے سزا بڑی ہے۔

۳:- وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ
الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ.

(۸:۲)

ترجمہ:- اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر، حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں۔

”الْمُفْلِحُونَ“ تک چار آیتوں میں مومنین کا بیان ہے، اور اس کے بعد ”عَذَابٌ عَظِيمٌ“ تک کفار کا، اور اس کے بعد ”وَمِنَ النَّاسِ“ سے منافقین کا بیان شروع ہوا ہے، اور اس کے ضمن میں ایمان و کفر اور مومنین و کافر اور منافق کی تعریف بھی آگئی۔ ابتدائی چار آیتیں جو مومنین کے بارہ میں آئی ہیں ان میں اولاً مومن اور ایمان کا اجمالی ذکر کیا گیا، ”الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ“ یعنی وہ لوگ جو غیب پر ایمان

لاتے ہیں۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: غیب سے اس جگہ وہ تمام اعتقادات مراد ہیں جو انسان کی نظر و مشاہدہ سے غائب ہیں، جیسے فرشتے، قیامت، جنت، دوزخ، پل صراط اور میزانِ عدل وغیرہ۔

(تفسیر ابن کثیر و خازن وغیرہ)

اس اجمال میں لفظ ”بالغیب“ لانے سے اس طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ ان کا ایمان حاضر و غائب یکساں ہے، ان کے مقابل فریق منافقین کی طرح نہیں جس کا حال اگلی آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ: ”وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنُوا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ“۔ یعنی جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب کفار کے پاس جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

اس ایمان اجمالی کی تفصیل بعد کی تیسری آیت میں مکمل تعریف کے ساتھ ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: ”الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ“۔ یعنی وہ لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب اور شریعت پر بھی ایمان لائے اور آپ سے پہلے انبیاء پر نازل شدہ وحی اور شریعت پر بھی، اور وہ آخرت کا بھی یقین رکھتے ہیں۔

ایمان کا سب سے پہلا جزء جو اللہ پر ایمان لانا ہے، اس کو صراحۃً ذکر کرنے کی اس لئے ضرورت نہ سمجھی گئی کہ جب اللہ پر ہی کسی کا ایمان نہ ہو تو اس کے کسی رسول یا وحی پر ایمان لانے کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے، اور اسی سورۃ کے ختم پر جب مکرر ایمان کے مفہوم کی تشریح فرمائی گئی تو وہاں ایمان باللہ کو صریحاً ان لفظوں میں ذکر بھی کر دیا گیا:-

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ،

كُلٌّ أَمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ

(۲۸۵:۲)

رُسُلِهِ.

عوام میں جو ایمان مجمل و مفصل مشہور ہیں یہ غالباً اسی پر مبنی ہیں، ایمان مجمل سورہ بقرہ کی پہلی آیات سے، اور ایمان مفصل اس کی آخری آیات سے لیا گیا ہے۔ پس آیت مذکورہ سے ایمان کے تین بنیادی اصول معلوم ہوئے ا:- اللہ پر ایمان لانا۔ ۲:- رسول اللہ ﷺ اور انبیاء سابقین کی سب وحیوں پر ایمان لانا۔ ۳:- آخرت پر ایمان۔ اور یہی تین چیزیں درحقیقت ایمان کے اصول ہیں، باقی سب فروع ہیں۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ”فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة“ میں لکھا ہے:-

أصول الإيمان ثلاثة: الإيمان بالله، وبرسوله، وباليوم الآخر، وما عداه فروع.

ترجمہ:- اس ایمان کے اصول تین ہیں: اللہ تعالیٰ پر ایمان، اس کے رسول پر ایمان، اور قیامت پر ایمان۔ اس کے ما سوا سب فروع ہیں۔

اور ان اصول کو بھی کوئی اور مختصر کرنا چاہے تو صرف ایمان بالرسول میں سب اصول آجاتے ہیں، کیونکہ جب تک اللہ پر ایمان نہ ہو اس کے رسول پر ایمان ہو ہی نہیں سکتا، اور رسول پر ایمان ہو جائے تو یوم قیامت پر ایمان خود اس کے اندر داخل ہے، کیونکہ ایمان بالرسول سے ان تمام ہدایتوں پر ایمان لانا مراد ہے جو رسول نے پیش کی ہیں، اور ظاہر ہے ان ہدایتوں میں روز قیامت کی تصدیق بھی ایک بہت بڑی ہدایت ہے، اسی لئے ائمہ اسلام نے ایمان کی تعریف اس طرح فرمائی ہے:-

هو تصديق النبي صلى الله عليه وسلم فيما علم

مجيبه بالضرورة.

ترجمہ:- ایمان رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کرنے کا نام ہے، ہر اس چیز میں جس کا ثبوت آپ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو جائے۔

فائدہ متعلقہ ختم نبوت

اس آیت میں ایمان اور مؤمن کی تعریف کے ضمن میں ایک لطیف طریقہ پر یہ بھی بتلادیا گیا ہے کہ سلسلہ نبوت و رسالت و وحی رسالت آنحضرت ﷺ پر ختم ہے، کیونکہ اس میں آنحضرت ﷺ پر نازل شدہ وحی پر ایمان لانے کے ساتھ صرف انبیاء سابقین اور ان کی وحی پر ایمان لانے کی تلقین ہے، انبیاء مابعد کا کوئی ذکر نہیں، ظاہر ہے کہ اگر آپ کے بعد بھی کسی قسم کا تشریحی نبی مبعوث ہونے والا ہوتا تو جس طرح انبیاء سابقین کی وحی پر یقین کرنے کو جزو ایمان قرار دیا گیا اسی طرح انبیاء مابعد پر ایمان لانے کا ذکر بھی ضروری تھا، بلکہ ایک حیثیت سے انبیاء مابعد کا ذکر بہ نسبت انبیاء سابقین کے زیادہ ضروری تھا کیونکہ انبیاء سابقین کا ذکر تو خود قرآن میں بھی آچکا ہے اور رسول اللہ ﷺ کی تشریحات و توضیحات میں اس سے زیادہ آچکا ہے، اس کے متعلق اُمت کے گمراہ ہونے کا کوئی خطرہ نہیں تھا، بخلاف اس نبی کے جو آئندہ مبعوث ہونے والا ہوتا کہ اس کے حالات و علامات سے اُمت واقف نہیں اور اُمت کو بلا واسطہ اس سے سابقہ پڑنا تھا، اور اس کے ماننے یا نہ ماننے پر اُمت کی نجات یا ہلاکت کا دار و مدار ہوتا، ایسی حالت میں خدا کی آخری کتاب اور رؤف و رحیم نبی ﷺ کا فرض ہوتا کہ آئندہ مبعوث ہونے والے نبی کی پوری کیفیات و حالات و علامات کو ایسی طرح واضح کرتے کہ اس میں کسی اشتباہ و التباس کی گنجائش نہ رہتی، اور پھر اُمت کو اس پر اور اس کی وحی پر ایمان لانے اور اس کی اطاعت کرنے کے غیر مبہم احکام کبریات و مرات قرآن و حدیث میں مذکور ہوتے۔

مگر بجائے اس کے ہوا یہ کہ قرآن نے جہاں اصولِ ایمان کا تذکرہ کیا تو انبیاء سابقین اور ان کی وحی پر ایمان لانے کو جزوِ ایمان کی حیثیت سے ذکر فرمایا، اور بعد میں مبعوث ہونے والے کسی نبی یا رسول کا یا اس کی وحی کا نام تک نہ لیا، پھر ایک جگہ نہیں قرآن میں دس سے زیادہ آیات اسی مضمون کی آئی ہیں، جن میں آپ سے پہلے آنے والی وحی پر ایمان لانے کی تاکید ہے، بعد کی کسی وحی یا نبی کا تذکرہ تک نہیں۔

یہ قرآن کی ایک کھلی ہوئی شہادت اس امر پر ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا، صرف عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آخر زمانہ میں آئیں گے، جو پہلے مبعوث ہو چکے ہیں، اور جن پر امتِ محمدیہ پہلے سے ایمان رکھتی ہے، لہذا کوئی نیا پیدا ہونے والا شخص اس امت کو اپنی نبوت و وحی کی طرف دعوت دے کر امت کے لئے مدارِ نجات نہیں بن سکتا، واللہ الموفق والمعین!

مؤمن و کافر کی تعریف اور کفر کی اقسام

اس عنوان کا اگرچہ مجمل خاکہ عنوانِ اول کے ضمن میں آچکا ہے، لیکن پوری وضاحت کے لئے اس کی تشریح اس عنوان میں لکھی جاتی ہے، جس کا بنیٰ وہی آیات ہیں جن کا ذکر عنوانِ اول میں آیا ہے، اور چونکہ اسلام و کفر کی تعریف میں چند اصطلاحی الفاظ کا استعمال ہوتا ہے اس لئے ان الفاظ کی تعریفات پہلے لکھی جاتی ہیں۔

تعریفات

ایمان :- رسول اللہ ﷺ کی قلبی تصدیق ہر اس چیز میں جس کا ثبوت آپ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو چکا ہو، بشرطیکہ اس کے ساتھ اطاعت کا اقرار بھی ہو۔
 اسلام :- اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار،

بشرطیکہ اس کے ساتھ ایمان یعنی تصدیق قلبی موجود ہو۔

کُفر:- جن امور کی تصدیق ایمان میں ضروری ہے، ان میں سے کسی امر کی تکذیب و انکار۔

مؤمن:- وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کی دل سے تصدیق کرے ہر اس امر میں جس کا ثبوت آپؐ سے قطعی اور بدیہی طور پر ہو چکا ہو، بشرطیکہ زبان سے بھی اس تصدیق کا اور اطاعت کا اقرار کرے۔

مسلمان:- وہ شخص جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار کرے، بشرطیکہ دل میں بھی ان کی تصدیق رکھتا ہو۔

کافر:- وہ شخص جو ان میں سے کسی ایک چیز کا دل سے انکار یا زبان سے تکذیب کر دے۔

اسلام و ایمان اور مسلم و مؤمن میں فرق

لفظ ”ایمان“ تصدیق قلبی کا نام ہے، اور ”اسلام“ اطاعت و فرمانبرداری کا، ایمان کا محل قلب ہے، اور اسلام کا محل قلب اعضاء و جوارح ہیں، لیکن شرعاً ایمان بغیر اسلام کے اور اسلام بغیر ایمان کے معتبر نہیں، یعنی اللہ اور اس کے رسول کی محض دل میں تصدیق کر لینا شرعاً اس وقت تک معتبر نہیں جب تک زبان سے اس تصدیق کا اظہار اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار نہ کرے، اور اطاعت و فرمانبرداری کا اقرار اس وقت تک معتبر نہیں جب تک اس کے ساتھ دل میں اللہ اور اس کے رسول کی تصدیق نہ ہو۔

الغرض لغوی مفہوم کے اعتبار سے ایمان و اسلام الگ الگ مفہوم رکھتے ہیں، اور قرآن و حدیث میں اسی لغوی مفہوم کی بناء پر ایمان و اسلام کے اختلاف کا ذکر بھی ہے، لیکن خود قرآن و حدیث کی ہی تصریحات کے مطابق یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرعاً

کوئی ایمان بدوں اسلام کے یا اسلام بدوں ایمان کے معتبر نہیں۔ اسی مضمون کو بعض اہل تحقیق نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ ایمان و اسلام کی مسافت تو ایک ہے، فرق مبداء اور منتہی میں ہے، ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے اور ظاہر پر منتہی ہوتا ہے، اور اسلام ظاہر سے شروع ہو کر قلب پر منتہی ہوتا ہے، اگر قلبی تصدیق ظاہری اقرار وغیرہ تک نہ پہنچے تو وہ تصدیق ایمان معتبر نہیں، اسی طرح ظاہری اقرار و اطاعت اگر تصدیق قلبی تک نہ پہنچے وہ اسلام معتبر نہیں، (افادہ الاستاذ العلامة مولانا انور شاہ قدس سرہ)۔

اب جب ایمان و اسلام کا لغوی اور شرعی مفہوم متعین ہو گیا تو مؤمن و مسلم کا مفہوم بھی ظاہر ہو گیا، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح مسلم کی شرح میں اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے، اس میں امام غزالی اور امام سبکی کی یہی تحقیق لکھی ہے جو اوپر گزر چکی، امام سبکی کے چند جملے یہ ہیں:-

الاسلام موضوع للانقياد الظاهر مشروطاً فيه
 الايمان، والايمان موضوع للتصديق الباطن مشروطاً
 فيه القول عند الامكان. (فتح الملهم ج: ۱ ص: ۱۵۱)
 ترجمہ:- اسلام موضوع ہے ظاہری اطاعت و
 فرمانبرداری کے لئے، مگر اس میں ایمان شرط ہے۔ اور ایمان
 موضوع ہے باطنی تصدیق کے لئے، مگر اس میں زبان سے کہنا
 بھی شرط ہے بوقت امکان۔

اور شیخ کمال الدین بن ہمام شارح ہدایہ نے اپنی عقائد کی مستند و مشہور کتاب اور اس کی شرح ”مسامرہ“ میں امت محمدیہ کا اتفاق اس پر نقل فرمایا ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:-

وقد اتفق اهل الحق وهم فريقا الاشاعرة
 والحنفية على تلازم الايمان والاسلام بمعنى انه لا

ایمان باعتبار بلا اسلام، وعکسہ ای لا اسلام باعتبار بدون
ایمان فلا ینفک احدهما عن الآخر۔

(ج: ۲: ص: ۱۸۶ طبع مصر)

ترجمہ:- اور اہل حق نے اتفاق کیا ہے اور وہ دونوں
گروہ اشاعرہ اور حنفیہ ہیں، کہ ایمان اور اسلام باہم متلازم ہیں،
یعنی ایمان بلا اسلام کے معتبر نہیں، اور نہ اس کا عکس، یعنی نہ اسلام
بلا ایمان کے معتبر، پس ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔

ثبوت قطعی

جو چیز آنحضرت ﷺ سے بذریعہ تواتر ہم تک پہنچی ہے، اس کا ثبوت
”قطعی“ ہے، جیسے قرآن، نمازوں کی تعداد، تعداد رکعات اور رکوع و سجود وغیرہ کی
کیفیات، اذان، زکوٰۃ کی تفصیلات، حج اور اس کی بہت سی تفصیلات، آنحضرت ﷺ
پر ختم نبوت وغیرہ۔

تواتر کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ سے لے کر ہم تک ہر قرن، ہر
زمانہ میں دنیا کے مختلف خطوں میں اس کے آنحضرت ﷺ سے روایت کرنے والے
اتنی تعداد میں رہے ہوں کہ ان سب کا غلطی یا کذب پر متفق ہو جانا عقلاً محال سمجھا
جاتا ہو۔

ثبوت بدیہی

جس کو عرف فقہاء اور متکلمین میں ضروری یا بالضرورة کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا
ہے، یہ ہے کہ تواتر کے ساتھ ساتھ اس کی شہرت تمام خاص و عام مسلمانوں میں اس
درجہ ہو جائے کہ عوام تک اس سے واقف ہوں، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کا فرض
ہونا، اذان کا سنت ہونا، اور نبوت کا آنحضرت ﷺ پر ختم ہو جانا وغیرہ۔

ضروریاتِ دین

جو چیزیں آنحضرت ﷺ سے بذریعہ تواتر اس درجہ شہرت و بجاہت کے ساتھ ثابت ہوں کہ ہر خاص و عام اس سے باخبر ہو، ان کو فقہاء اور متکلمین کی اصطلاح میں ”ضروریاتِ دین“ کہا جاتا ہے۔

تنبیہ: - ایمان بہت سی مجموعی چیزوں کی تصدیق و تسلیم کا نام ہے، جن کا ذکر اوپر تعریف میں آچکا ہے، لیکن کفر میں ان سب چیزوں کا انکار یا تکذیب ضروری نہیں، بلکہ ان میں سے کسی ایک چیز کی تکذیب و انکار بھی کفر ہے، خواہ باقی سب چیزوں کو صدقِ دل سے قبول کرتا ہو، اسی لئے ایمان اور اسلام ایک ہی حقیقت ہے، اور کفر کی بہت سی اقسام ہو گئی ہیں، جن میں سے دو بنیادی قسمیں تو قرآن کی مذکورہ آیات سورہ بقرہ میں بیان کر دی گئیں، ایک کفرِ ظاہر اور دوسرے کفرِ نفاق، باقی اقسام کی تفصیل و تشریح اب بیان کی جاتی ہے، واللہ الموفق والمعین!

کفر اور کافر کی اقسام

اس رسالہ کا اصل موضوع بحث یہی مضمون ہے، جیسا کہ تمہید میں لکھا جا چکا ہے۔

مذکور الصدر تفصیل میں یہ معلوم ہو چکا ہے کہ کفر، تکذیب رسول کا نام ہے، پھر تکذیب کی چند صورتیں ہیں اور ان صورتوں کے اختلاف ہی سے کفر کی چند اقسام بن جاتی ہیں جن کو امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ”فیصل التفرقة بین الاسلام والزندقة“ نیز اپنی کتاب ”الاقتصاد فی الاعتقاد“ میں، اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے اپنے فتاویٰ میں اور امام بغویؒ نے آیت: ”إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ“ الآیہ، کی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ تحریر فرمایا ہے، نیز علم عقائد و کلام کی مستند کتب شرح مواقف، شرح مقاصد میں بھی ان کا تفصیلی ذکر ہے، ان اقسام تکذیب کا خلاصہ یہ ہے:-

- ۱:- ایک تکذیب کی صورت تو یہ ہے کہ کوئی شخص صراحۃً رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول ہی تسلیم نہ کرے، جیسے بت پرست، یہود اور نصاریٰ۔
- ۲:- دوسری یہ کہ رسول تسلیم کرنے کے بعد آپؐ کے کسی قول کو صراحۃً غلط یا جھوٹ قرار دے یعنی آپؐ کی بعض ہدایات پر ایمان رکھے اور بعض کی تکذیب کرے۔

۳:- تیسری یہ کہ کسی قطعی الثبوت قول یا فعل رسول کو یہ کہہ کر رد کر دے کہ

یہ آنحضرت ﷺ کا قول یا فعل نہیں ہے، یہ بھی درحقیقت رسول کی تکذیب ہے۔
 ۴:- چوتھی صورت یہ ہے کہ قول و فعل کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے مفہوم کی تاویل کر کے قرآن و حدیث کی قطعی تصریحات کے خلاف کسی خود ساختہ مفہوم پر محمول کرے۔ کفر و تکذیب کی یہ صورت چونکہ دعوائے اسلام اور ادائیگی شعائر اسلام کے ساتھ ہوتی ہے، اس لئے اس میں اکثر لوگوں کو بہت مغالطہ پیش آتا ہے، خصوصاً جب اس پر نظر کی جائے کہ تاویل کے ساتھ انکار کرنا باتفاق علماء تکذیب میں داخل نہیں اور ایسے شخص کو کافر بھی نہیں کہا جاسکتا، اور ظاہر ہے کہ مجددین بھی کسی تاویل کا سہارا ضرور لیتے ہیں، اس لئے اس قسم کی تشریح و توضیح زیادہ ضروری ہے تاکہ تاویل اور الحاد میں فرق معلوم ہو سکے اور معلوم ہو جائے کہ تاویل کے محل میں تاویل موجب کفر نہیں مگر الحاد و زندقہ کی تاویل بالاجماع موجب کفر ہے، اس لئے اس مضمون کو تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

کفر، زندقہ و الحاد

تکذیب کی چوتھی صورت قرآن کی اصطلاح میں ”الحاد“، اور حدیث میں ”الحاد“ و ”زندقہ“ کے نام سے موسوم ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا،
 أَفَمَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ
 الْقِيَامَةِ. (۴۰:۴۱) الآیة. عن ابن عمر قال: سمعت رسول
 الله صلى الله عليه وسلم يقول: ”سيكون في هذه الامة
 مسخ الا و ذلك في المكذبين بالقدر والزندقية.“
 اخرجه الامام احمد في مسنده ج: ۲ ص ۱۰۸ وقال
 في الخصائص: سنده صحيح. وفي منتخب كنز العمال

ج: ۶: ص: ۵۰: مرفوعاً ما یفسرها۔“

ترجمہ:- جو لوگ ہماری آیات میں الحاد کرتے ہیں وہ ہم سے پوشیدہ نہیں، کیا وہ شخص جو جہنم میں ڈالا جائے گا بہتر ہے یا وہ جو امن کے ساتھ آئے گا قیامت کے دن۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ: ”عنقریب اس امت میں مسخ ہوگا، اور سن رکھو! کہ وہ تقدیر کو جھٹلانے والوں میں ہوگا، اور زندیقین میں۔“ اس کو امام احمد نے اپنی مسند میں روایت کیا ہے، اور خصائص میں کہا ہے کہ: اس کی سند صحیح ہے۔ اور منتخب کنز العمال میں مرفوعاً ایک روایت ہے جو اس کی تفسیر کرتی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کی تکذیب کے متعلق صحیح بخاری میں ایک مستقل باب لکھا ہے: ”باب قتل من ابی قبول الفرائض وما نسبوا الی الردۃ“ اس باب میں اس قسم کی تکذیب کو بھی ارتداد قرار دیا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہ نے مسوئی شرح مؤطا میں اس قسم کی تکذیب کے متعلق لکھا ہے:-

وان اعترف به ظاهراً ولكن یفسر بعض ما ثبت من الدین ضرورة بخلاف ما فسرہ الصحابة والتابعون واجمعت علیہ الامۃ فهو زندیق كما اذا اعترف بان القرآن حق وما فیہ من ذکر الجنة والنار حق، لكن المراد بالجنة الابتهاج الذی یحصل بسبب الملكات المحمودۃ، والمراد بالنار هی الندامة التی یحصل بسبب الملكات المذمومة وليس فی الخارج جنة ولا نار، فهو زندیق! (مسوئی شرح مؤطا ج: ۲: ص: ۱۳۰)

ترجمہ:- اور اگر اقرار کرے اس کا ظاہری طور پر، لیکن دین کی بعض ان چیزوں کی جو ثابت ہیں، ایسی تفسیر بیان کرے جو صحابہؓ اور تابعین اور اجماع اُمت کے خلاف ہو، تو وہ زندیق ہے۔ مثلاً: یہ تو اقرار کرے کہ قرآن حق ہے اور جو اس میں جنت و دوزخ کا ذکر ہے وہ بھی ٹھیک ہے، لیکن جنت سے مراد وہ خوشی و فرحت ہے جو اخلاقی حمیدہ سے پیدا ہوتی ہے، اور دوزخ سے مراد وہ ندامت ہے جو اخلاقی مذمومہ کے سبب حاصل ہوتی ہے، ویسے کوئی نہ جنت ہے، نہ دوزخ، پس یہ شخص ”زندیق“ ہے!

تأویل اور تحریف میں فرق

ثم التأویل تأویلان، تأویل لا یخالف قاطعاً من الكتاب والسنة واتفاق الامة، وتأویل یصادم ما ثبت بقاطع فذلك الزندقة، فكل من انكر رؤية الله تعالى يوم القيامة، او انكر عذاب القبر وسؤال المنكر والتكبر، او انكر الصراط والحساب، سواء قال: لا اثق بهؤلاء الرواة، او قال: اثق بهم لكن الحديث مأوّل، ثم ذكر تأویلاً فاسداً لم يسمع من قبله، فهو الزندیق. او قال: ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبوة، ولكن معنى هذا الكلام انه لا يجوز ان یسمى بعده احد بالنبی، واما معنى النبوة وهو كون الانسان مبعوثاً من الله تعالى الى الخلق مفترض الطاعة معصوماً من الذنوب ومن البقاء على الخطاء فيما يرى فهو موجود في

الائمة بعده، فذلك الزنديق!

(از تصانیف حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ)

ترجمہ:- پھر تاویل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تاویل تو وہ ہے جو کتاب و سنت اور اتفاق اُمت کی کسی قطعی بات کی مخالف نہیں، اور ایک تاویل وہ ہے جو ان مذکورہ چیزوں سے ثابت شدہ کسی حکم قطعی کی مصادم ہو، پس یہ شکل ثانی ”زندقہ“ ہے، پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی رویت کا منکر ہو قیامت کے روز یا عذاب قبر کا منکر ہو، اور منکر اور نکیر کے سوال کا منکر ہو یا پل صراط اور حساب کا منکر ہو، خواہ وہ یوں کہے کہ: ”مجھے ان راویوں پر اعتبار نہیں!“ اور یا یوں کہے کہ: ”ان راویوں کا تو اعتبار ہے مگر حدیث کے معنی دوسرے ہیں“، اور یہ کہہ کر ایسی تاویل بیان کرے جو اس سے پہلے نہیں سنی گئی، پس وہ ”زندیق“ ہے۔ یا یوں کہے کہ: ”نبی اکرم ﷺ خاتم النبوة ہیں، لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ آپؐ کے بعد کسی شخص کا نام ”نبی“ رکھنا جائز نہیں، مگر نبوة کے معنی اور مصداق، یعنی انسان کا خدا تعالیٰ کی طرف سے مبعوث ہونا مخلوق کی طرف، کہ اس کی اطاعت فرض اور وہ گناہوں سے معصوم ہو، اور اس بات سے معصوم ہو کہ اگر اس کی رائے میں غلطی ہو تو وہ اس پر باقی رہے، تو یہ معنی اور مصداق آپؐ کے بعد ائمہ میں موجود ہیں“ پس یہ شخص ”زندیق“ ہے!

مکذیب رسول کی یہ چوتھی صورت جس کا نام ”زندقہ“ و ”الحاد“ ہے، درحقیقت نفاق کی ایک قسم ہے، اور عام نفاق سے زیادہ اشد اور خطرناک ہے۔ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جبکہ سلسلہ وحی منقطع ہو گیا اور کسی شخص کے دل میں

چھپے ہوئے کفر و نفاق کے معلوم ہونے کا ہمارے پاس کوئی قطعی ذریعہ نہیں ہے تو اب منافق صرف ان ہی لوگوں کو کہہ سکتے ہیں جن سے اسلام کا مدعی ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ اقوال یا اعمال ایسے سرزد ہو جائیں جو ان کے باطنی کفر کی غمازی کریں، زندقہ والحاد اسی کی ایک مثال ہے، اور اسی لئے عمدۃ القاری شرح بخاری میں اور تفسیر ابن کثیر میں آیت: ”فَلْيُقَلِّبْهُمْ مَّرْضًا“ (بقرہ) کے تحت میں حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

المنافق فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم هو الزندیق الیوم. (تفسیر ابن کثیر ج: ۱ ص: ۴۶ طبع مصر)

یعنی آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کسی کے دل میں کفر و نفاق کتنا ہی چھپا ہو، لیکن ہمارے پاس اس کا ذریعہ علم نہ ہونے کے باعث ہم اس کو کافر یا منافق نہیں کہہ سکتے، اب نفاق کی ایک ہی قسم موجود ہے جس کو زندقہ کہتے ہیں۔

یعنی دعوائے اسلام اور شرائع اسلام کا پابند ہونے کے ساتھ کوئی عقیدہ کفریہ رکھنا یا ضروریات دین میں تاویل باطل کر کے اس کے اجماعی معنی میں تحریف کرنا۔

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے (جو کہ اُمت کے مسلم امام ہیں اور تمام اسلامی فرقے ان کی امامت کے قائل ہیں، خدا بخش قادیانی نے اپنی کتاب ”عسلِ مصطفیٰ“ میں جس کو مرزا غلام احمد نے حرفا حرفاً سن کر تصدیق کی ہے، صفحہ: ۱۶۴ پر مجددین اسلام کی فہرست لکھتے ہوئے امام غزالیؒ کو پانچویں صدی ہجری کا مجدد قرار دیا ہے) مسئلہ کفر و ایمان میں الحاد و زندقہ کی شدید مضرت اور اس مسئلہ کی نزاکت کا خیال فرما کر ایک مستقل کتاب ”التفرقة بین الاسلام والزندقہ“ تصنیف فرمائی، جس میں قرآن و سنت اور عقل و نقل سے واضح کر دیا کہ تاویل اور الحاد میں کیا فرق ہے؟ اور یہ کہ زنداقہ و ملاحدہ کی اسلامی برادری میں کوئی جگہ نہیں، وہ دائرۃ اسلام سے قطعاً خارج ہیں، اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہیں، نیز کسی مدعی اسلام کے کافر قرار

دینے میں جو احتیاط لازم ہے اس کے پیش نظر امام موصوف نے اس کتاب میں ایک زریں وصیت اور ضابطہ بیان فرمایا ہے، اس کو مع ترجمہ کے لکھا جاتا ہے۔

فصل :- اعلم ان شرح ما یکفر به وما لا یکفر

به يستدعى تفصيلاً طويلاً يفتقر الى ذكر كل المقالات والمذاهب وذكر شبهه كل واحد ودليله ووجه بعده عن الظاهر ووجه تأويله وذلك لا تحويه مجلدات وليس يسع لشرح ذلك اوقاتى فافتنع الآن بوصية وقانون. اما الوصية فان تكف لسانك عن اهل القبلة ما امنك ما داموا قائلين لا اله الا الله محمد رسول الله غير مناقضين لها، والمناقضة تجوزهم الكذب على رسول الله صلى الله عليه وسلم بعذر او غير عذر فان التكفير فيه خطر والسكوت لا خطر فيه. واما القانون فهو ان تعلم ان النظريات قسمان، قسم يتعلق باصول العقائد، وقسم يتعلق بالفروع، واصول الايمان بالله وبرسوله وباليوم الآخر وما عداه فروع. (واعلم ان الخطاء في اصل الامامة وتعيينها وشروطها وما يتعلق بها لا يوجب شيء منه تكفيراً، فقد انكر ابن كيسان اصل وجوب الامامة ولا يلزم تكفيره يتلفت الى قوم يعظمون امر الامامة ويجعلون الايمان بالامام مقروناً بالايمان بالله وبرسوله والى خصومهم المكفرين لهم بمجرد مذهبهم في الامامة وكل ذلك اسراف اذ ليس في واحد من القولين تكذيب الرسول صلى الله

عليه وسلم اصلا) ومهما وجد التكذيب وجب التكفير
وان كان فى الفروع فلو قال قائل مثلاً البيت الذى
بمكة ليس هى الكعبة التى امر الله بحجها، فهذا كفر اذ
ثبت تواتراً عن رسول الله صلى الله عليه وسلم لذلك
البيت بانه الكعبة، ينفعه انكاره بل يعلم قطعاً انه معاند
فى انكاره (الا ان يكون قريب عهد بالاسلام ولم يتواتر
عنده ذلك) وكذلك من نسب عائشة رضى الله عنها
الى الفاحشة وقد نزل القرآن ببرأتها فهو كافر لان
هذا وامثاله لا يمكن الا بتكذيب او انكار والتواتر
ينكره الانسان بلسانه ولا يمكنه ان يجهله بقلبه. نعم لو
انكر ما ثبت باخبار الاحاد فلا يلزمه به الكفر ولو انكر
ما ثبت بالاجماع فهذا فيه نظر لان معرفة كون
الاجماع حجة مختلف فيه فهذا حكم الفروع واما
الاصول الثلاثة فكل ما لم يتحمل التأويل فى نفسه
وتواتر نقله ولم يتصور ان يقوم برهان على خلافه
فخلافه تكذيب محض ومثاله ما ذكرناه من حشر
الاجساد والجنة والنار واحاطة علم الله تعالى بتفاصيل
الامور وما يتطرق اليه احتمال ولو بالمجاز البعيد
فينظر فيه الى برهان فان كان قاطعاً وجب القول به لكن
ان كان فى اظهاره مع العوام ضرر لقصور فهمهم
فاظهاره بدعة وان لم يكن البرهان قاطعاً يعلم ضرورة
فى الدين كفى المعتزلة للرؤية عن البارى تعالى فهذا

بدعة وليس يكفر واما ما يظهر له ضرر فيقع في محل
الاجتهاد والنظر فيحتمل ان يكفر ويحتمل ان لا يكفر.
(ثم قال) ولا ينبغي ان نطن ان التكفير ونفيه
ينبغي ان يدرك قطعاً في كل مقام بل التكفير حكم
شرعى يرجع الى اباحة المال وسفك الدم او الحكم
بالخلود في النار فماخذه كماخذ سائر الاحكام
الشرعية تارة يدرك بيقين وتارة بظن غالب وتارة
يتردد فيه ومهما حصل التردد فالتوقف في التكفير
أولى والمبادرة الى التكفير انما يغلب على طباع من
يغلب عليهم الجهل.

ولا بد من التنبيه بقاعدة اخرى فهو
ان المخالف قد يخالف نصاً متواتراً ويزعم انه مؤول
ولكن تأويله لا انقذاح له اصلاً في اللسان لا على قرب
ولا على بُعد فذلك كفر وصاحبه مكذب وان كان
يزعم انه مؤول.

ترجمہ:- جانا چاہئے کہ اس بات کی شرح کرنے کے
لئے کہ کیا چیزیں موجب تکفیر ہیں اور کیا نہیں؟ بہت تفصیل
طویل درکار ہے، کیونکہ اس میں ضرورت ہے تمام مقالات و
مذاہب کے ذکر کرنے کی اور ہر ایک کا شبہ اور اس کی دلیل، اور
اس کی بعد کی وجہ ظاہر سے، اور اس کی تأویل کی وجہ کی، اور یہ
متعدد جلدوں میں بھی نہیں ساسکتا، اور نہ اس کی شرح کے لئے
میرے وقت میں گنجائش ہے، اس لئے میں اس وقت ایک

قانون اور ایک وصیت پر اکتفا کرتا ہوں۔

وصیت :- سو وصیت تو یہ ہے کہ تم اپنی زبان کو اہل قبلہ کی تکفیر سے روکو جب تک ممکن ہو، یعنی جب تک وہ ”لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ کے قائل رہیں، اور اس سے مناقضہ نہ کریں، اور مناقضہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے کسی حکم کے غلط اور جھوٹ ہونے کو جائز سمجھیں خواہ کسی عذر سے یا بغیر عذر کے، کیونکہ تکفیر میں تو خطرہ ہے اور سکوت میں کوئی خطرہ نہیں۔

ضابطہ تکفیر :- اور قانون یہ ہے کہ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ نظریات کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جو اصول عقائد سے متعلق ہے، اور دوسری وہ ہے جو فروع کے متعلق ہے۔ اور ایمان کے اصول تین ہیں، اول :- اللہ پر ایمان لانا، دوم :- اس کے رسول پر بھی، سوم :- قیامت کے دن پر۔ اور ان کے علاوہ جو ہیں فروع ہیں۔ اور جاننا چاہئے کہ خطاء (غلطی) امامت کی اصل اور اس کے تعین اور اس کی شروط وغیرہ میں جیسا کہ روافض و خوارج میں پائی جاتی ہے ان میں سے کوئی چیز بھی موجب تکفیر نہیں ہے، کیونکہ ابن کيسان نے امامت کے اصل وجوب ہی کا انکار کیا ہے، اور انہیں لازم ہے اس کی تکفیر، اور نہیں التفات کیا جائے گا اس قوم کی طرف جو امامت کے معاملہ کو عظیم سمجھنے ہیں اور امام کے ساتھ ایمان لانے کو خدا و رسول کے ساتھ ایمان لانے کے برابر کرتے ہیں۔ اور نہ ان کے مخالفین کی طرف التفات کیا جائے گا، جو ان کی تکفیر کرتے ہیں محض اس لئے کہ وہ مسئلہ امامت میں اختلاف رکھتے ہیں، یہ

سب حد سے گزرنا ہے کیونکہ ان دونوں اقوال میں سے کسی میں بھی رسول اللہ ﷺ کی تکذیب بالکل لازم نہیں آتی، اور جس جگہ تکذیب پائی جائے گی تو تکفیر ضروری ہوگی اگرچہ وہ فروع ہی میں ہو، مثلاً: کوئی شخص یوں کہے کہ جو گھر مکہ معظمہ میں ہے، وہ وہ کعبہ نہیں ہے جس کے حج کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، تو یہ کفر ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ اس کے خلاف ثابت ہے، اور اگر وہ اس امر کا انکار کرے اور کہے کہ حضور ﷺ نے اس گھر کے کعبہ ہونے کی شہادت ہی نہیں دی تو اس کا انکار اس کو نافع نہ ہوگا، بلکہ اس کا اپنے انکار میں معاند ہونا قطعی طور پر معلوم ہو جائے گا، بجز اس کے کہ وہ نیا نیا مسلمان ہوا ہو اور یہ بات اس کے نزدیک ابھی حد تواتر کو نہ پہنچی ہو۔ اور اسی طرح جو شخص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر تہمت باندھے، حالانکہ قرآن مجید میں ان کی برأت نازل ہو چکی تو وہ بھی کافر ہے، کیونکہ یہ اور اس جیسی باتیں بغیر تکذیب اور انکار کے ممکن نہیں، اور تواتر کا کوئی انسان زبان سے خواہ انکار کر دے مگر یہ ناممکن ہے کہ اس کا قلب اس سے نا آشنا ہو، ہاں! البتہ اگر کسی ایسے امر کا انکار کرے جو خبر واحد سے ثابت ہے تو اس سے کفر لازم نہ آئے گا، اور اگر کسی ایسی چیز کا انکار کرے جو کہ اجماع سے ثابت ہے تو اس میں ذرا تاہل کی ضرورت ہے، کیونکہ اجماع کا حجت ہونا مختلف فیہ ہے، تو اس کا حکم فروع کا ہوگا، اور اصول و ملامت کے متعلق یہ ہے کہ جو فی نفسہ تاویل کو محتمل نہیں اور اس کی نقل تواتر کے ساتھ ثابت ہے اور اس کے خلاف کسی دلیل کے

قائم ہونے کا تصور نہیں ہو سکتا، سو اس کی مخالفت کرنا تو تکذیب ہے، اور اس کی مثال وہی ہے جو ذکر ہو چکی ہے یعنی حشر و نشر اور جنت و دوزخ اور حق تعالیٰ کے علم کا تمام امور کی تفصیلات پر محیط ہونا، اور جو اس میں سے ایسے ہیں کہ ان میں احتمال کی راہ ہے، اگرچہ مجازِ بعید ہی کے طریق پر ہو، تو اس میں دلیل کی طرف دیکھا جائے گا، پس اگر دلیل قطعی ہو تب تو اس کا قائل ہونا واجب ہے، لیکن اگر اس کے ظاہر کرنے میں عوام کا ضرر ہو بوجہ ان کے تصورِ فہم کے، تب تو اس کا ظاہر کرنا بدعت ہے، اور اگر دلیل قطعی نہ ہو جیسے معتزلہ کا ردِ یس باری سے انکار کرنا، پس یہ بدعت ہے اور کفر نہیں ہے، اور وہ چیز جس کا ضرر ظاہر ہو تو وہ مقام اجتہاد میں واقع ہو جائے گی، پس ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے تکفیر کی بھی جاوے اور ممکن ہے کہ تکفیر نہ بھی کی جائے۔

(پھر آگے چل کر فرمایا ہے) اور یہ مناسب نہیں کہ تم یہ خیال کر لو کہ تکفیر اور عدم تکفیر کے لئے ضروری ہے کہ ہر جگہ یقینی طور پر معلوم ہو جائے، بلکہ بات یہ ہے کہ تکفیر ایک حکم شرعی ہے، جس کا نتیجہ ہے کہ اس سے اباحتِ مال اور خون کا ہر ہونا یا خلود فی النار کا حکم لازم آتا ہے، سو اس کا منشا بھی دوسرے احکام شرعیہ کے منشا کی طرح ہے کہ کبھی تو یقین کے ساتھ معلوم ہوتا ہے، اور کبھی ظن غالب کے ساتھ اور کبھی تردد کے ساتھ، اور جب تردد ہو تو تکفیر میں توقف کرنا بہتر ہے، اور تکفیر میں جلدی کرنا ان ہی طبیعتوں پر غالب ہوتا ہے جن پر جہل کا غلبہ ہے۔

اور ایک اور قاعدہ پر بھی تنبیہ کر دینا ضروری ہے، وہ یہ

کہ مخالف کبھی کسی نص متواتر کی مخالفت کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ مؤول ہے، لیکن اس کی تاویل ایسی ہوتی ہے کہ اس کی کوئی معجائش نہیں ہوتی زبان میں نہ قریب نہ بعید، تو یہ کفر ہے اور ایسا شخص مکذب ہے اگرچہ وہ یہ سمجھتا رہے کہ وہ مؤول ہے۔“
آخر میں کچھ اور اسی قسم کی تاویلات باطلہ کا بیان کر کے لکھا:-

فامثال هذا المقالات تكذيبات عبر عنها
بالتاويلات.

ترجمہ:- پس اسی جیسی باتیں تکذیبات جن کا نام
تاویلات رکھ لیا گیا ہے۔

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی اس مفصل تحریر سے واضح ہو گیا کہ قرآن و حدیث میں ایسی تاویلات باطلہ کرنا جو ان کے اجماعی مفہوم کو بدل دیں اور امت کے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی نیا مفہوم ان سے پیدا ہو جائے، ایسی تاویل بھی تکذیب رسول ہی کے حکم میں ہے، جس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔

ائمہ اسلام کی مزید شہادتیں

زندقہ کے کفر ہونے پر

اس میں سب سے پہلی اور سب سے قوی شہادت، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا وہ اجماع ہے جو رسول اکرم ﷺ کی وفات کے بعد، مانعین زکوٰۃ کو ”مرتد“ قرار دے کر، ان سے جہاد کرنے پر ہوا، حالانکہ یہ سب لوگ نماز، روزہ اور تمام شعائر اسلام کے پابند تھے، صرف ایک حکم شرعی ”زکوٰۃ“ کا انکار کرنے سے باجماع صحابہ ”کافر“ قرار دیئے گئے، حافظ ابن تیمیہؒ نے ان کے متعلق لکھا ہے:-

وفيه من الردة عن شرائع الاسلام بقدر ما

ارتد عنه من شعائر الاسلام اذ كان السلف قد سموا
مانعی الزکوة مرتدین مع کونهم یصومون ویصلون۔

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج: ۴ ص: ۲۹۱)

ترجمہ:- ان لوگوں میں شعائرِ اسلام سے مرتد ہونا پایا
جاتا ہے، کیونکہ ایک شعارِ اسلام (زکوة) کے منکر ہیں، کیونکہ
سلف نے ان کا نام ”مرتدین“ رکھا ہے، اگرچہ یہ نماز بھی پڑھتے
تھے اور روزے بھی رکھتے تھے۔

دوسری شہادت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وہ اجماع ہے جو ”مسئلہ کذاب“ کے
کفر و ارتداد اور اس کے مقابلہ میں جہاد پر ہوا، حالانکہ وہ اور اس کی پوری جماعت کلمہ
کی قائل، اور حسب تصریح تاریخ ابن جریر طبری ج: ۳ ص: ۲۴۴، اپنی اذانوں میں
”اشہد ان محمداً رسول اللہ“ کی شہادت مناروں پر لپکانے والے اور نماز، روزہ کے
پابند تھے، مگر اس کے ساتھ وہ آیت ”خاتم النبیین“ اور حدیث ”لا نبی بعدی“ میں
قرآن و حدیث کی تصریحات اور امت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف تاویلات کر کے
”مسئلہ کذاب“ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نبوت کا شریک مانتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے باجماع و اتفاق ان کو کافر قرار دیا اور ان سے جہاد کرنا
ضروری سمجھا، اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی امارت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عظیم الشان
لشکر جہاد کے لئے روانہ ہوا، مسئلہ کذاب کے پیروں میں سے چالیس ہزار مسلح جوان
مقابلہ پر آئے، معرکہ نہایت سخت ہوا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لشکر میں سے بارہ سو
حضرات شہید ہوئے اور مسئلہ کے لشکر سے اٹھائیس ہزار آدمی مارے گئے اور خود
مسئلہ بھی مارا گیا۔

جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی اس پر انکار نہ کیا اور نہ کسی نے
یہ کہا کہ: ”یہ لوگ کلمہ گو، اہل قبلہ ہیں، ان کو کیسے کافر کہا جائے؟“ نہ کسی کو اس کی فکر

ہوئی کہ اسلامی برادری میں سے اتنی بڑی اور قوی جماعت کم ہو جائے گی، اسی لئے عام کتب عقائد میں اس مسئلہ کو ”اجماعی مسئلہ“ قرار دیا گیا ہے، ”جوہرۃ التوحید“ میں ہے:-

ومن لمعلوم ضروری جحد من دیننا یقتل
کفر الیس حد.

وقال شارحہ ان هذا مجمع علیہ وذکر ان
الماتریدیۃ یکفرون بعد هذا بانکار القطعی وان لم یکن
ضروریا.

ترجمہ:- جو شخص کسی قطعی بدیہی حکم کا انکار کرے اس کو
بوجہ کافر ہو جانے کے قتل کیا جائے گا، بطورِ حد کے نہیں۔

اور اس کتاب کی شرح میں ہے کہ اس بات پر اُمت
کا اجماع ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ علماء ماتریدیہ مطلقاً قطعی حکم
کے انکار کو کفر قرار دیتے ہیں خواہ بدیہی نہ ہو۔

اور حافظ حدیث امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”اقامۃ الدلیل“ میں
اجماع کو سب سے بڑی قطعی دلیل قرار دیا ہے:-

واجماعہم حجة قاطعة یجب اتباعها بل ہی
او کد الحجج وہی مقدمة علی غیرها.

(اقامۃ الدلیل ج: ۳ ص: ۱۳۰)

ترجمہ:- اور اُمت کا اجماع حجتِ قاطعہ ہے، جس کا
اتباع واجب ہے، بلکہ وہ تمام حجتوں سے زیادہ مؤکد ہے، اور وہ
غیر اجماع پر مقدم ہے۔

ائمہ اسلام، مفسرین، محدثین، فقہاء اور متکلمین سب کے سب اس مسئلہ میں
یک زبان ہیں کہ ضروریاتِ دین یعنی اسلام کے قطعی اور یقینی مسائل میں سے کسی

مسئلہ میں تاویلات باطلہ کر کے اس کو اس مفہوم اور صورت سے نکالنا جو قرآن و حدیث میں مصرح ہے، اور جمہور اُمت وہی مفہوم سمجھتی آئی ہے، درحقیقت قرآن و حدیث اور عقائد اسلام کی تکذیب کرنا ہے، علم عقائد کی مشہور و مستند کتاب ”مقاصد“ میں کفر اور کافر کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:-

وان كان مع اعترافه بنبوة النبي صلى الله عليه
وسلم و اظهاره شعائر الاسلام يبطن عقائد هي كفر
بالاتفاق خص باسم الزنديق.

ترجمہ:- اور اگر کوئی ایسا ہو کہ نبی کریم ﷺ کی نبوت
کے اقرار کے ساتھ ساتھ، اور شعائر اسلام کے اظہار کے باوجود
ایسے عقائد پوشیدہ رکھتا ہو جو بالاتفاق کفر ہیں، تو اس کو ”زندیق“
کے نام سے خاص کیا جاتا ہے۔

رد المحتار میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے اسی مضمون کی تشریح میں فرمایا ہے:-

فان الزنديق يموه بكفره ويروج عقيدته
الفاصلة ويخرجها في الصورة الصحيحة وهذا معنى
ابطانه الكفر فلا ينافي الجهار والدعوى الى الضلال.

(ج: ۳ ص: ۲۹۶)

ترجمہ:- کیونکہ زندیق ملمع سازی کرتا ہے اپنے کفر
کے ساتھ اور اپنے فاسد عقیدہ کو رواج دیتا ہے، اور نکالتا ہے اس
کو صحیح صورت میں، اور یہی معنی ہیں ”ابطان کفر“ کے، پس وہ
”جہاز“ (یعنی کھلم کھلا کفر) کے منافی نہیں، اور نہ گمراہی کی طرف
دعوت دینے کے منافی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہ نے اپنے فتاویٰ میں اقسام

تکذیب و کفر کا بیان ان الفاظ میں فرمایا ہے:-

ولا شبهة ان الايمان مفهومه الشرعى المعتبر به فى كتب الكلام والعقائد والتفسير والحديث هو تصديق النبى صلى الله عليه وسلم فيما علم مجيئه ضرورة عما من شأنه ذلك ليخرج الصبى والمجنون والحيوانات. والكفر عدم الايمان عما من شأنه ذلك التصديق فمفهوم الكفر هو عدم تصديق النبى صلى الله عليه وسلم فيما علم مجيئه ضرورة وهو بعينه ما ذكرنا من ان من انكر واحدا من ضروريات الدين اتصف بالكفر نعم عدم التصديق له مراتب اربع فيحصل للكفر ايضا اقسام اربعة. الاول كفر الجهل، وهو تكذيب النبى صلى الله عليه وسلم صريحا فيما علم مجيئه بدمع العلم (اى فى زعمه الباطل) بكونه عليه السلام كاذبا فى دعواه وهذا وهو كفر ابنى جهل واضرا به. والثانى كفر الجحود والعناد، وهو تكذيبه مع العلم بكونه صادقا فى دعواه وهو كفر اهل الكتاب لقوله تعالى: "الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبَاءَهُمْ" وقوله تعالى: "وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلُمًا وَعُغْلًا" وكفر ابليس من هذا القبيل. والثالث كفر الشك، كما كان لاكثر المنافقين. والرابع كفر التأويل، وهو ان يحمل كلام النبى صلى الله عليه وسلم على غير محمله او على التقية ومراعاة المصالح ونحو

ذلک، ولما کان التوجه الى القبلة من خواص معنی
 الايمان سواء کان شامله او غير شامله عبروا عن اهل
 الايمان باهل القبلة، کما ورد فی الحديث: ”نهيت عن
 قتل المصلين“ والمراد المؤمنین، مع ان نص القرآن
 علی ان اهل القبلة هم المصدقون بالنبي صلى الله عليه
 وسلم فی جميع ما علم مجيئه وهو قوله تعالى: وَصَدَّ
 عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفِّرَ بِهِ وَالْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَآخِرَاجِ أَهْلِهِ
 مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ. (مجادلہ عزیزی ج: ۱ ص: ۴۲)

ترجمہ:- اور اس میں شبہ نہیں کہ ایمان کا مفہوم شرعی
 جو کہ کتب کلام و عقائد و تفسیر و حدیث میں معتبر ہے وہ یہ ہے کہ
 نبی کریم ﷺ کی تصدیق کرنا ان تمام باتوں میں جن کا آپ
 سے منقول ہونا بدایتہ معلوم ہے، یہ اس شخص پر جو تصدیق کا اہل
 ہے یعنی بچہ اور مجنون اور حیوانات اس سے خارج ہیں، اور کفر اسی
 شخص کے عدم ایمان کو کہتے ہیں۔ پس کفر کا مطلب یہ ہے کہ نبی
 کریم ﷺ کی ان باتوں میں تصدیق نہ کرنا۔

اور وہ یعینہ وہی بات ہے جو ہم نے ذکر کی کہ جو شخص
 ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا بھی انکار کرے وہ
 صفت کفر کے ساتھ موصوف ہو جائے گا۔ ہاں! عدم تصدیق کے
 چار درجات ہیں۔ اس لئے کفر کے بھی چار اقسام نکلیں گے۔
 اول کفر جہل اور وہ نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنا صریحاً ان
 چیزوں میں جن کو آپؐ لے کر آئے، یہ سمجھتے ہوئے (یعنی اپنے
 زعم باطل میں) کہ نبی ﷺ کاذب ہیں اپنے دعوے میں، اور

یہ ابو جہل وغیرہ کا کفر ہے۔ دوسرا کفر جود اور عناد، اور وہ یہ کہ آپؐ کو باوجود دل سے سچا جاننے کے تکذیب کئے جانا، اور یہ اہل کتاب کا کفر ہے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ: ”جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس نبی کو پہچانتے ہیں، جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔“ اور دوسری جگہ فرمایا کہ: ”ان لوگوں نے انکار کیا، حالانکہ ان کے دل پر یقین ہیں، اور یہ انکار ظلم اور تعلیٰ و تکبر کے سبب سے ہے۔“ اور ابلیس کا کفر اسی قسم میں سے ہے۔ اور تیسرا کفر شک، جیسا کہ اکثر منافقین کا تھا۔ اور چوتھا کفر تاویل اور وہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے کلام کو اس کے غیر محمول پر محمول کرے یا اس کو تفسیر پر اور مراعاة مصالح وغیرہ پر محمول کرے، اور جبکہ توجہ الی القبلۃ ایمان کا خاصہ ہے، خواہ خاصہ شاملہ ہو یا غیر شاملہ، اس لئے اہل ایمان کو ”اہل قبلہ“ سے تعبیر کر دیتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ: ”مجھے نماز پڑھنے والوں کے قتل کرنے سے منع کیا گیا ہے“ اور مراد اس جگہ مسلمان ہیں۔ نیز نص قرآن اس پر شاہد ہے کہ اہل قبلہ وہی ہیں جو نبی کریم ﷺ کی تمام لائی ہوئی چیزوں میں تصدیق کرتے ہیں اور وہ نص حق تعالیٰ کا یہ قول: ”اور اللہ کی راہ سے روکنا، اور اس کے ساتھ کفر کرنا، اور مسجد حرام کے ساتھ اور اس کے اہل کو اس سے نکالنا، زیادہ شدید ہے اللہ کے نزدیک۔“ خوب سمجھ لینا چاہئے!

حافظ ابن القیم رحمہ اللہ نے ”شفاء العلیل“ میں انہی تاویلات باطلہ کے

متعلق فرمایا:-

ما فی الشفاء العلیل للحافظ ابن القیم:

والتأویل الباطل يتضمن تعطيل ما جاء به الرسول والكذب على المتكلم انه اراد ذلك المعنى فتضمن ابطال الحق وتحقيق الباطل ونسبة المتكلم الى ما لا يليق به من التلبیس والالغاز مع القول عليه بلا علم انه اراد هذا المعنى فالتأويل عليه ان يبين صلاحية اللفظ للمعنى الذى ذكره اولاً واستعمال المتكلم له فى ذلك المعنى فى اكثر المواضع حتى اذا استعمله فيما يحتمل غيره يحمل على ما عهد منه استعماله فيه وعليه ان يقيم دليلاً سالماً عن المعارض على الموجب بصرف اللفظ عن ظاهره وحقيقته الى مجازة واستعارته والا كان خلك مجرد دعوى منه فلا يقبل. (ص: ۱۳۵)

ترجمہ:- حافظ ابن قیمؒ کی شفاء العلیل میں ہے کہ: اور تاویل باطل متضمن ہے رسولوں کی لائی ہوئی چیزوں کو معطل کرنے کو اور متکلم پر جھوٹ کو، کہ اس نے یہ معنی مراد لئے پس لازم آئے گا اس سے ابطال حق اور باطل کا ثبوت، اور متکلم کی نسبت ایسی چیز کی طرف جو اس کے شایان شان نہیں یعنی تلبیس اور معما کی باتیں کرنا، نیز اس پر یہ افتراء بلا علم کہ اس نے اس سے یہ معنی مراد لئے، پس تاویل کرنے والے پر لازم ہے کہ سب سے پہلے یہ ثابت کرے کہ لفظ مستعمل میں اس معنی کی صلاحیت ہے جو اس نے ذکر کئے ہیں اور یہ بھی کہ متکلم نے بھی اس کو اکثر مواضع میں انہی معنی میں استعمال کیا ہے تاکہ جب متکلم اس کو ایسے کلام میں استعمال کرے جہاں دوسرا احتمال بھی

ہو تو وہ اسی معنی پر محمول ہو جس میں اس کا استعمال مروّج رہا ہے، اور اس پر یہ بھی لازم ہے کہ دلیل قائم کرے ایسی کہ جو معارض سے سالم ہو اس بات پر کہ جو موجب ہوا ہے لفظ کو ظاہری اور حقیقی معنی سے مجاز اور استعارہ کی طرف پھیرنے کا، ورنہ تو یہ صرف ایک دعویٰ ہوگا جو قابل قبول نہ ہوگا۔

فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے:-

ثم لو قدر انهم متاولون لم يكن تأويلهم سائغا بل تأويل الخوارج ومانعي الزكاة اوجه من تأويلهم واما الخوارج فانهم احياء اتباع القرآن وان ما خالفه من السنة لا يجوز العمل به واما مانعوا الزكاة فقد ذكروا انهم قالوا ان الله قال لنبيه فقط فليس علينا ان ندفعها لغيره فلم يكونوا يدفعونها لابي بكر ولا يخرجونها له. (فتاویٰ ابن تیمیہ ج: ۴ ص: ۲۹۷)

ترجمہ:- اور اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ یہ لوگ متاولین (یعنی تاویل کرنے والے) ہیں تو ان کی تاویل قابل قبول نہیں بلکہ خوارج اور مانعین زکوٰۃ کی تاویل تو اس سے زیادہ اقرب اور قابل قبول تھی، کیونکہ خوارج نے دعویٰ کیا تھا اتباع قرآن کا اور سنت میں جو قرآن کے مخالف ہو اس پر ترک عمل اور عدم جواز کا، اور مانعین زکوٰۃ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو خطاب فرما کر فرمایا کہ: ”آپؐ لیجئے ان کے مالوں سے صدقہ“ اور یہ خطاب ہے نبی کریم ﷺ کو، پس ہم پر غیر نبی کی طرف زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں، اس لئے وہ حضرت ابوبکر

صدق ﷺ کو زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے۔

وفی ص: ۱۸۵ وقد اتفق الصحابة والائمة بعدهم على قتال مانعي الزكاة وان كانوا يصلون الخمس ويصومون شهر رمضان وهؤلاء لم يكن لهم شبهة سائغة فلهذا كانوا مرتدين وهم يقاتلون على منعها وان اقرؤا بالوجوب كما امر الله.

ترجمہ:- اور ص: ۱۸۵ میں ہے: اور صحابہؓ نے اور ائمہؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جہاد کرنے پر اجماع فرمایا اگرچہ وہ پانچ وقت کی نمازیں پڑھتے تھے اور رمضان شریف کے روزے رکھتے تھے، اور ان حضرات کو کوئی شبہ پیش نہیں آیا، لہذا یہ مرتد تھے اور ان سے جہاد کیا جائے گا، اس کے روکنے پر اگرچہ وہ اس کے وجوب کا اقرار کریں جیسا کہ حق تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

وقال من ص: ۶۹ بغية المرتاد، وانما القصد ههنا التنبيه على ان عامة هذه التأويلات مقطوع ببطانها وان الذي يتأوله او يسوغ تأويله فقد يقع في الخطاء في نظيره او فيه بل قد يكفر من تأويله.

ترجمہ:- یہاں مقصود اس بات پر تنبیہ کرنا ہے کہ عام طور سے یہ تاویلیں یقیناً باطل ہیں اور جو شخص یہ تاویلیں کرتا یا ایسی تاویل کو جائز رکھتا ہے وہ کبھی اس کے مثل میں اور کبھی خود اس میں خطا میں پڑ جاتا بلکہ کبھی تاویل کرنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ اور شرح جمع الجوامع میں ہے:-

جاحد المجمع عليه من الدين بالضرورة

کافر قطعاً۔

ترجمہ:- جس چیز پر اجماع قطعی ثابت ہو اس کا منکر

کافر ہے۔

اور علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے خیالی حاشیہ شرح عقائد میں لکھا ہے:-

والتأويل في ضروريات الدين لا يدفع الكفر.

(حاشیہ نمبر ۲: خیالی ص: ۱۲۶)

ترجمہ:- اور ضروریات دین میں تاویل کرنا کفر سے

نہیں بچا سکتا۔

اور شیخ اکبر محمدی اللہ بن ابن العربی رحمہ اللہ نے ”فتوحات مکیہ“ میں فرمایا ہے:-

التأويل الفاسد كالكفر.

(باب: ۲۸۹: ج ۲: ص: ۸۵۷)

ترجمہ:- تاویل فاسد کفر کی طرح ہے۔

اور وزیر یمانی رحمہ اللہ کی ”ایثار الحق علی الخلق“ صفحہ: ۲۳۱ میں ہے:-

لان الكفر هو جحد الضروريات من الدين او

تأويلها.

ترجمہ:- کیونکہ کفر یہی ہے کہ ضروریات دین کا انکار

کرنا یا اس کی تاویل کرنا۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ کی کتاب ”الشفاء بتعريف حقوق المصطفى“

میں ہے:-

وكذلك يقطع بتكفير من كذب او انكر

قاعدة من قواعد الشريعة وما عرف يقينا بالنقل

المتواتر من فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم ووقع

[Website: DifaAhleSunnat.com]

الاجماع المتصل عليه كمن انكر وجوب الصلوات
الخمس او عدد ركعاتها وسجدها ويقول انما اوجب
الله علينا في الكتاب الصلوة على الجملة وكونها
خمسا وعلى هذا الصفات والشروط لا اعلمه اذ لم
يرو في القرآن نص جلي. (شفاء ص: ۲۳۸)

ترجمہ:- اور اسی طرح قطعی طور پر کافر کہا جائے گا اس
شخص کو جو جھٹلا دے یا انکار کرے قواعد شرعیہ میں سے کسی قاعدہ
کا یا اس چیز کا جو فعل رسول اللہ ﷺ سے نقل متواتر کے ساتھ
یقینی طور پر معلوم ہوئی ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے،
جیسے کوئی پانچ نمازوں یا ان کی رکعات کے عدد یا سجدوں کا انکار
کرے، اور یوں کہے کہ حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز تو فی
الجملة واجب کی ہے، ان صفات اور شروط کے ساتھ میں اس کو
نہیں مانتا، کیونکہ اس کی قرآن میں کوئی نص جلی نہیں ہے۔
اور شرح شفاء قاضی عیاض میں ہے:-

وكذلك انعقد اجماعهم على ان مخالفة
السمع الضروري كفر وخروج عن الاسلام. (ص: ۱۲۱)

ترجمہ:- ایسے ہی سب کا اجماع اس پر منعقد ہے کہ
یقینی روایات کی مخالفت کفر اور اسلام سے خروج ہے۔

تنبیہ:- یہاں صحابہ و تابعین اور ائمہ موین کی تصریحات سے یہ بات واضح
ہو چکی ہے کہ تاویل کرنے والے کی تکفیر نہ کرنے کا ضابطہ عام نہیں بلکہ وہ تاویل جو
ضروریات دین کے خلاف کی جائے وہ تاویل نہیں بلکہ تحریف اور الحاد ہے، اور باجماع
امت کفر ہے، اور اگر تاویل مطلقاً دفع کفر کے لئے کافی سمجھی جائے تو شیطان بھی کافر

نہیں رہتا کہ وہ بھی اپنے فعل کی تاویل پیش کر رہا ہے: ”حَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ“، اسی طرح بت پرست مشرکین بھی کافر نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کی تاویل تو خود قرآن میں مذکور ہے: ”مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى“ اس سے واضح ہو گیا کہ جو تاویل کسی نص صریح یا اجماع یا ضروریات دین کے مخالف ہو وہ تاویل نہیں بلکہ تحریف اور تکذیب رسول ہے، جس کا دوسرا نام الحاد و زندقہ ہے۔

مسئلہ تکفیر اہل قبلہ

جو لوگ ایمان و اسلام کا اظہار کرتے ہیں اور نماز، روزہ وغیرہ کے پابند ہیں، مگر اسلام کے کسی قطعی اور یقینی حکم میں تاویلات باطلہ کر کے تصریحات کتاب و سنت اور اجماع امت کے خلاف اس کا مفہوم بدلتے ہیں، ان کو کافر و مرتد قرار دینے پر دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ کلمہ گو اہل قبلہ ہیں، اور اہل قبلہ کی تکفیر باتفاق امت ممنوع ہے، اس لئے ضروری ہے کہ اس جگہ اہل قبلہ کے مفہوم کو واضح کیا جائے۔

اصل اس باب میں آنحضرت ﷺ کی دو حدیثیں ہیں، ایک وہ جو بخاری و مسلم وغیرہ میں اطاعتِ امراء کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:-

من شهد ان لا اله الا الله واستقبل قبلتنا وصلّى
صلواتنا واكمل ذبيحتنا فهو مسلم، الا ان تروا كفراً
بواحا عندكم من الله فيه برهان.

ترجمہ:- جو شخص لا اله الا الله کی شہادت دے اور
ہمارے قبلہ کا استقبال کرے اور ہماری نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ
کھائے تو یہی مسلمان ہے، مگر یہ کہ دیکھو تم کفر صریح، تمہارے
پاس اللہ تعالیٰ کی طرف اس میں دلیل ہو۔

اور دوسری روایت ابوداؤد کتاب الجہاد میں ہے، جس کا متن یہ ہے:-

عن انس قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث من اصل الايمان: الكف عمن قال لا اله الا الله، ولا تكفره بدين، ولا تخرجه من الاسلام بعمل. (الحديث).

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: تین چیزیں اصل ایمان ہیں: رکنا اس شخص سے جو لا الہ الا اللہ کہے، اور نہ تکفیر کرو اس کی کسی گناہ کے سبب، اور نہ اسے خارج از اسلام قرار دو کسی عمل کے سبب۔

اس میں سے پہلی حدیث میں تو ختم کلام پر خود ہی تصریح کر دی گئی ہے کہ کلمہ گو کو اس وقت تک کافر نہ کہا جائے گا جب تک اس سے کوئی قول یا فعل موجب کفر صریح اور ناقابل تاویل یقینی طور پر ثابت نہ ہو جائے۔

اور دوسری حدیث کے الفاظ میں اس کی تصریح ہے کہ کسی گناہ یا عمل کی وجہ سے خواہ وہ کتنا ہی سخت ہو کافر نہ کہا جائے گا۔ لیکن باتفاق علمائے اُمت، گناہ سے مراد اس جگہ کفر کے سوا دوسرے گناہ ہیں، مطلب یہ ہے کہ عملی خرابیاں، فسق و فجور کتنا ہی زیادہ ہو جائے ان کی وجہ سے اہل قبلہ کو کافر نہ کہا جائے گا، نہ یہ کہ وہ قطعاً اسلام کے خلاف عقائد کا اظہار بھی کرتا رہے تب بھی اس کو کافر نہ سمجھا جائے۔

مانعین زکوٰۃ اور مدعی نبوتِ مسیئہ کذاب اور اس کی جماعت کو کافر و مرتد قرار دے کر ان سے جہاد کرنے پر صحابہ کرام کا اجماع اس کی کھلی ہوئی شہادت ہے کہ اہل قبلہ جن کی تکفیر ممنوع ہے، اس کا مفہوم یہ نہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کر لے یا نماز پڑھ لے، اس کو کسی عقیدہ باطلہ کی وجہ سے بھی کافر نہ کہا جائے، بلکہ معلوم ہوا کہ کلمہ گو یا اہل قبلہ یہ دو اصطلاحی لفظ ہیں، ان کے مفہوم میں صرف وہ مسلمان داخل ہیں جو

شعائرِ اسلام نماز وغیرہ کے پابند ہونے کے ساتھ تمام موجباتِ کفر اور عقائدِ باطلہ سے پاک ہوں۔

اہلِ قبلہ کا یہ مفہوم، تمام علمائے اُمت کی کتابوں میں بصراحت و وضاحت موجود ہے، ذیل میں چند اقوالِ ائمہٗ اسلام کے پیش کئے جاتے ہیں جن سے دو چیزوں کی شہادت پیش کرنا مقصود ہے:-
۱:- ”اہلِ قبلہ“ کا صحیح مفہوم۔

۲:- اصل موضوع بحث پر شہادت کہ اسلام کے قطعی اور یقینی احکام میں قرآن و سنت اور اجماعِ اُمت سے ثابت شدہ مفہوم کے خلاف کوئی مفہوم قرار دینا بھی تکذیبِ رسول کے حکم میں ہے، اور ایسی تکذیب کو ”زندقہ والحاذ“ کہا جاتا ہے۔
محقق ابن امیر الحاج جو حافظ ابن حجرؒ اور شیخ ابن ہمامؒ کے مشہور شاگرد اور محقق ہیں، شرح تحریر الاصول میں ”اہلِ قبلہ“ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

هو الموافق على ما هو من ضروريات الاسلام
كحدوث العالم وحشر الأجساد من غير ان يصدر عنه
شيء من موجبات الكفر قطعاً من اعتقاد راجع الى
وجود اله غير الله تعالى او حلوله في بعض اشخاص
الناس او انكار نبوة محمد صلى الله عليه وسلم او ذمه
او استخفافه ونحو ذلك المخالف في اصول سواها
(الى ان قال) وقد ظهر من هذا ان عدم تكفير اهل القبلة
بذناب ليس على عمومہ الا ان يحمل الذنب على ما
ليس بكفر فيخرج الكفر به كما اشار اليه السبكي.

(شرح تحریر)

ترجمہ:- اہلِ قبلہ وہ ہے جو موافق ہو تمام ضروریات

اسلام کے، جیسے عالم کا حدوث، اور حشرِ اجساد، اس طرح پر کہ اس سے کوئی چیز موجباتِ کفر میں سے صادر نہ ہو، مثلاً: ایسا اعتقاد ہو جو مفضی ہو حق تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خدا کے ماننے کو اور خدا تعالیٰ کے کسی شخص میں حلول کرنے کو، یا نبوۃ محمد ﷺ کے انکار کو، یا آپؐ کی مذمت یا آپؐ کے استخفاف کو، اور اسی طرح کی اور باتیں (یہاں تک کہ مصنف فرماتے ہیں کہ) اسی سے ظاہر ہو گیا کہ اہل قبلہ کی کسی گناہ کی وجہ سے تکفیر نہ کرنے کی حدیث اپنے عموم پر نہیں ہے، ہاں! اگر گناہ سے مراد کفر کے علاوہ لیا جاوے جیسا کہ علامہ سبکیؒ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے تو عموم مراد ہو سکتا ہے۔

نیز شرح مقاصد میں عدم تکفیر اہل قبلہ کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:-

قال المبحث السابع فی حکم مخالف الحق

من اهل القبلة ليس بكافر ما لم يخالف ما هو من

ضروریات الدین كحدوث العالم وحشر الأجساد.

قال الشارح: ومعناه ان الذين اتفقوا على ما هو

من ضروریات الاسلام كحدوث العالم وحشر الأجساد

وما يشبه ذلك واختلفوا فی اصول سواها كمسئلة

الصفات وخلق الأفعال وعموم الإرادة وقدم الكلام

وجواز الرؤية ونحو ذلك مما لا نزاع فيه ان الحق فيه

واحد هل يكفر المخالف للحق بذلك الاعتقاد وبالقول

به ام لا؟ فلا نزاع فی كفر اهل القبلة المواظب طول

العمر على الطاعات باعتقاد قدم العالم ونفى الحشر

ونفسی العلم بالجزئیات ونحو ذلک وکذا بصدور شیء
 من موجبات الکفر عنه۔ (شرح مقاصد ج: ۵ ص: ۲۲۸)
 ترجمہ:- ساتواں بحث اس شخص کے حکم میں جو مخالف
 حق ہو، اہل قبلہ میں سے کہ وہ کافر نہیں جب تک مخالفت نہ
 کرے کسی چیز کی ضروریات دین میں سے جیسے عالم کا حادث
 ہونا اور حشر و نشر۔

شارح فرماتے ہیں: اور معنی اس کے یہ ہیں کہ جو
 لوگ ضروریات اسلام پر تو متفق ہیں جیسے حدوث عالم اور حشر
 وغیرہ، اور ان کے سوا دوسرے اصول میں اختلاف کرتے ہیں
 جیسے ”مسئلہ صفات“ اور ”خلق افعال“ اور ”عموم ارادہ“ اور ”کلام
 اللہ کا قدیم ہونا“ اور ”رؤیہ اللہ کا جواز“ وغیرہ جن میں کوئی نزاع
 اس امر میں نہیں ہے کہ اس میں حق ایک ہی ہے تو کیا اس اعتقاد
 اور اس کا قائل ہونے کی وجہ سے اس مخالف حق کی تکفیر کی جائے
 گی یا نہیں؟ سو کوئی اختلاف نہیں ہے، ایسے اہل قبلہ کی تکفیر میں
 جو تمام عمر طاعات پر مداومت کرنے کے ساتھ ”قدم عالم“ اور
 ”لفی حشر“ اور ”لفی بالجزئیات“ وغیرہ کا قائل ہو اور اسی طرح
 موجبات کفر میں سے کسی چیز کے صدور سے اس کے کفر میں کوئی
 اختلاف نہیں۔

اور مثلاً علی قاری رحمہ اللہ کی شرح فقہ اکبر میں ہے:-

اعلم ان المراد باهل القبلة الذين اتفقوا على
 ما هو من ضروریات الدين كحدوث العالم وحشر
 الأجساد وعلم الله تعالى بالجزئیات وما اشبه ذلك من

المسائل المهمّات فمن واظب طول عمره على الطاعات والعبادات مع اعتقاد قدم العالم ونفى الحشر او نفى علمه سبحانه وتعالى بالجزئيات لا يكون من اهل القبلة وان المراد باهل القبلة عند اهل السنّة انه لا يكفر ما لم يوجد شيء من امارات الكفر ولم يصدر عنه شيء من موجباته. (شرح فقہ اکبر ص: ۱۸۹)

ترجمہ:- جاننا چاہئے کہ اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو تمام ضروریات دین پر متفق ہیں، جیسے حدودِ عالم اور حشر و نشر، اور علم اللہ بالجزئیات وغیرہ، پس جو شخص تمام عمر طاعات و عبادات کا پابند ہونے کے باوجود قدمِ عالم اور نفی حشر یا نفی علم اللہ بالجزئیات کا معتقد ہو، وہ اہل قبلہ نہیں ہے، اور مراد اہل قبلہ سے اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ اس کی تکفیر اس وقت تک نہ کی جائے گی جب تک علاماتِ کفر میں سے کوئی چیز اس میں نہ پائی جائے اور جب تک اس سے موجباتِ کفر میں سے کوئی بات سرزد نہ ہو۔

اور فخر الاسلام بزدوی رحمہ اللہ کی ”کشف الاصول“ باب الاجماع ج: ۳ ص: ۲۳۸ میں، نیز امام سیف الدین آمدی رحمہ اللہ کی کتاب ”الاحکام فی اصول الاحکام“ میں اور ”غایۃ التحقیق شرح اصول حسامی“ میں ہے:-

ان غلافیه (ای فی ہواہ) حتی وجب اکفارہ بہ لا يعتبر خلافه ووافقه ايضا لعدم دخوله فی مسمى الأمة المشهود لها بالعصمة وان صلی الی القبلة واعتقد نفسه مسلما لان الأمة ليست عبارة عن المصلّين الی

القبلة بل عن المؤمنين وهو كافر وان كان لا يدري انه
(غایۃ التحقیق) کافر۔

ترجمہ:- اگر غلو کیا اپنی خواہشات نفسانیہ میں حتیٰ کہ
واجب ہوگئی اس کی تکفیر اس کی وجہ سے، اجماع میں اس کے
خلاف یا مخالفت کا اعتبار نہ ہوگا، اور اگرچہ وہ قبلہ کی طرف نماز
پڑھتا ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو، کیونکہ ”امت“ قبلہ کی
طرف نماز پڑھنے والوں کا نام نہیں ہے، بلکہ ”مؤمنین“ کا نام
ہے، اور وہ کافر ہے، اگرچہ اس کو اپنے کافر ہونے کا علم نہ ہو۔
اور رد المحتار باب الامامة میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے بحوالہ شرح تحریر
الاصول ابن ہمام لکھا ہے:-

لا خلاف فی کفر المخالف فی ضروریات
الاسلام وان كان من اهل القبلة المواظب طول عمره
على الطاعات كما فی شرح التحریر۔

(شامی ج: ۱ ص: ۲۷۷)

ترجمہ:- جو شخص ضروریات اسلام کا مخالف ہو اس
کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں، اگرچہ وہ اہل قبلہ میں سے ہو اور
تمام عمر طاعات پر پابند رہے۔
اور البحر الرائق شرح کنز الدقائق میں ہے:-

والحاصل ان المذهب عدم تکفیر احد من
المخالفين فيما ليس من الاصول المعلومة من الدين
(البحر الرائق) ضرورة۔

ترجمہ:- اور حاصل یہ ہے کہ مذہب یہ ہے کہ مخالفین

میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائے، جو اصول دین کے سوا کسی چیز میں مخالف ہیں۔

اور شرح عقائد نفی کی شرح ”نبراس“ میں ہے:-

اهل القبلة فى اصطلاح المتكلمين من
يصدق بضروريات الدين اى الامور التى علم ثبوتها فى
الشرع واشتهر فمن انكر شيئا من الضروريات
كحدوث العالم وحشر الأجساد وعلم الله سبحانه
بالجزئيات وفرضية الصلوة والصوم لم يكن من اهل
القبلة ولو كان مجاهدا بالطاعات وكذلك من باشر
شيئا من امارات التكذيب كسجود الصنم والإهانة بامر
شرعى والاستهزاء عليه فليس من اهل القبلة ومعنى
عدم تكفير اهل القبلة ان لا يكفر بارتكاب المعاصى
ولا بانكار الامور الخفية غير المشهورة.

(نبراس ص: ۵۷۳)

ترجمہ:- اہل قبلہ، متکلمین کی اصطلاح میں وہ ہے جو تمام ضروریات دین کی تصدیق کرتا ہو، یعنی ان امور کی جن کا ثبوت شریعت میں معلوم و مشہور ہے، پس جو انکار کرے کسی چیز کا ضروریات دین میں سے جیسے حدوث عالم اور حشر اور علم اللہ بالجزئیات اور فرضیت نماز و روزہ تو وہ اہل قبلہ سے نہ ہوگا، اگرچہ وہ طاعات کا پابند ہو، اور اسی طرح وہ شخص بھی اہل قبلہ میں سے نہ ہوگا جو کسی ایسے فعل کا ارتکاب کرے جو کہ تکذیب کی کھلی علامت ہے، جیسے بت کو سجدہ کرنا یا کسی ایسے امر کا ارتکاب

کرے کہ جس سے امر شرعی کا استہزاء اور اہانت ہو، وہ اہل قبلہ نہیں ہے، اور اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ارتکاب معاصی سے اس کی تکفیر نہ کی جائے یا امور خفیہ غیر مشہورہ کے انکار سے اس کی تکفیر نہ کی جائے۔

اور علم عقائد کی معروف و مستند کتاب مواقف میں ہے:-

لا یکفر اهل القبلة الا فيما فيه انكار ما علم
مجيبه به بالضرورة او المجمع عليه كاستحلال
المحرمات. (مواقف ص: ۲۳۳)

ترجمہ:- اہل قبلہ کی تکفیر نہ کی جائے گی مگر اس صورت میں کہ اس میں ضروریات دین کا انکار یا ایسی چیز کا انکار لازم آئے جس پر اجماع ہو چکا ہے جیسے حرام اشیاء کو حلال سمجھنا۔
اور شرح فقہ اکبر میں ہے:-

ولا يخفى ان المراد بقول علمائنا: "لا يجوز
تكفير اهل القبلة بذنوب" ليس مجرد التوجه الى القبلة
فان الغلاة من الروافض الذين يدعون ان جبريل غلط
في الوحي فان الله تعالى ارسله الى علي وبعضهم قالوا
انه اله، وان صلُّوا الى القبلة ليسوا بمؤمنين وهذا هو
المراد بقوله صلى الله عليه وسلم: من صلى صلواتنا
واكل ذبيحتنا فذلك مسلم. (شرح فقہ اکبر)

ترجمہ:- یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ہمارے علماء کے اس قول کی مراد کہ: "اہل قبلہ کی تکفیر کسی گناہ کے سبب جائز نہیں" محض قبلہ کی طرف رخ کر لینے کی نہیں، کیونکہ بعض متشدد روافض

ایسے ہیں جو مدعی ہیں کہ جبریلؑ نے وحی لانے میں غلطی کی کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کو حضرت علیؑ کے پاس بھیجا تھا، اور بعض روافض کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ معبود ہیں، یہ لوگ اگرچہ قبلہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں مگر مؤمن نہیں، اور یہی مراد ہے نبی کریم ﷺ کے فرمان کی: جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے تو یہی مسلم ہے۔

اور کلیات ابوالبقاء میں ہے:-

فلا نکفر اهل القبلة ما لم يأت بما يوجب
الكفر وهذا من قبيل قوله تعالى: "إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ
جَمِيعًا" مع ان الكفر غير مغفور. ومختار جمهور اهل
السنة من الفقهاء والمتكلمين عدم اكفار اهل القبلة من
المتدعة المأولة في غير الضرورية لكون التأويل شبهة
كما في خزانة الجرجاني والمحيط البرهاني واحكام
الرازي واصول البزدوى ورواه الكرخي والحاكم
الشهيد عن الامام ابى حنيفة والجرجاني عن الحسن
بن زياد وشارح المواقف والمقاصد والآمدى عن
الشافعى والاشعري لا مطلقا. (كليات ابوالبقاء ص: ۵۵۴)

ترجمہ:- پس ہم اہل قبلہ کی تکفیر نہ کریں گے جب
تک ان سے موجبات کفر کا صدور نہ ہو، اور یہ اسی طرح ہے
جیسے حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ: "اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخش
دیتا ہے۔" باوجود اس کے کفر غیر مغفور ہے۔ اور مذہب جمہور
اہل السنۃ کا فقہاء و متکلمین میں سے، بدعتی جو تاویلات کرتے

ہیں غیر ضروریاتِ دین میں، ان کے متعلق یہ ہے کہ ان کی تکفیر نہ کی جائے، جیسا کہ خزانہ جرجانی، اور محیط برہانی اور احکامِ رازی اور اصولِ بزدوی میں ہے، اور یہی روایت کیا ہے کرنی اور حاکم شہید نے امام ابوحنیفہؒ سے اور جرجانی نے حسن بن زیاد سے اور شارحِ مواقف اور المقاصد اور آمدی نے شافعی سے اور اشعری سے۔ اور فتح المغیث شرح الفیہ الحدیث میں ہے:-

اذ لا نکفر احدا من اهل القبلة الا بانکار قطعی

(ص: ۱۳۳)

من الشریعة.

ترجمہ:- ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے مگر بسبب انکار کے کسی قطعی حکم شرعی کا۔

اور امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوبات میں تحریر فرمایا ہے:-
وچوں ایں فرقہ مبتدعہ اہل قبلہ اند در تکفیر آنہا جرأت
نیاید نمود تا زمانے کہ انکار ضروریاتِ دینیہ تمایند و ردّ متواترات
احکامِ شرعیہ نکند و قبول ما علم مجید من الدین بالضرورة نکند۔

(مکتوبات ج: ۲ ص: ۳۸)

ترجمہ:- اور چونکہ یہ فرقہ مبتدعہ اہل قبلہ ہیں اس لئے
ان کی تکفیر میں جرأت نہیں کرنی چاہئے، جب تک کہ یہ
ضروریاتِ دین کا انکار اور متواتراتِ احکامِ شرعیہ کا ردّ نہ کریں
اور ضروریاتِ دین کو قبول نہ کریں۔

عقائدِ عضدیہ میں ہے:-

لا نکفر احدا من اهل القبلة الا بما فيه نفی

الصانع المختار او بما فيه شرک او انکار النبوة وانکار

ما علم من الدين بالضرورة او انکار مجمع علیہ واما
غیر ذلک فالقائل مبتدع و لیس بکافر۔

ترجمہ:- ہم اہل قبلہ میں سے کسی کی تکفیر نہیں کریں
گے مگر اس سبب سے کہ اس میں حق تعالیٰ کے وجود کی نفی ہو اور یا
جس میں شرک ہو یا انکار نبوت ہو یا ضروریات دین کا انکار ہو یا
کسی مجمع علیہ امر کا انکار ہو، اور اس کے سوا پس اس کا قائل
مبتدع ہے کافر نہیں۔

کسی مدعی اسلام کی تکفیر میں

انتہائی احتیاط!

مذکور الصدر تقریر سے یہ تو معلوم ہو گیا کہ ہر قبلہ کی طرف منہ کرنے والے کو
”اہل قبلہ“ نہیں کہتے، یہ شریعت کا ایک اصطلاحی لفظ ہے جو صرف ان لوگوں کے حق
میں بولا جاتا ہے جو ہمارے قبلہ کی طرف نماز پڑھیں اور ضروریات دین میں سے کسی
چیز کا انکار یا تحریف نہ کریں، جس کی بناء پر بہت سے ایسے لوگوں کو بھی کافر قرار دینا
پڑے گا جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور نماز، روزہ بھی ادا کرتے ہیں، قرآن کی
تلاوت اور خدمت بھی کرتے ہیں مگر اسلام کے قطعی اور ضروری احکام میں سے کسی حکم
کے منکر ہیں۔

لیکن اس جگہ ایک دوسری بے احتیاطی کا خطرہ ہے کہ مسلمانوں میں باہمی
تکفیر کا دروازہ کھل سکتا ہے، جو ان کے لئے تباہی کا راستہ ہے، اور ایک زمانہ سے یہ
خطرہ صرف خطرہ ہی نہیں رہا، بلکہ ایک واقعہ بن گیا ہے کہ حقائق دین سے ناواقف کچھ
نام کے علماء نے یہ پیشہ بنالیا کہ ذرا ذرا سی بات پر مسلمان کو کافر قرار دینے لگے، باہمی
کفر کے فتوے چلنے لگے، اس میں ان لوگوں کو کتب فقہ کے ان مسائل سے بھی دھوکا لگا

جو کلمات کفریہ کے نام سے بیان کئے جاتے ہیں کہ فلاں فلاں باتیں کلمہ کفر ہیں، جن کا حاصل اس کے سوا نہیں کہ جس کلمہ سے قطعاً اسلام میں سے کسی چیز کا انکار نکلتا ہے، اس کو کلمہ کفر قرار دیا گیا، لیکن اس کے ساتھ ہی حضرات فقہاء نے اس کی بھی تصریح فرمادی ہے کہ ان کلمات کے کلمات کفر ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس شخص کی زبان سے یہ کلمات نکلیں اس کو بے سوچے سمجھے اور بدون تحقیق مراد کے کافر کہہ دیا جائے، جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس کی مراد وہی معنی و مفہوم ہیں جو کافرانہ عقیدہ یا کسی ضروری اسلام کا انکار ہے۔

لیکن حقیقت حال سے ناواقف لوگوں نے ان کلمات ہی کو فیصلہ کا مدار بنالیا، اور تکفیر بازی شروع کر دی، جس کی ایک بھاری مضرت تو یہ ہوئی کہ ایک مسلمان کو کافر کہنا بڑا سخت معاملہ ہے جس کے اثرات پورے اسلامی معاشرہ پر پڑتے ہیں، اس کے علاوہ اس میں اپنے ایمان کا خطرہ ہوتا ہے، جس کا بیان گزر چکا ہے۔ دوسری طرف اس تکفیر بازی سے یہ شدید نقصان پہنچا کہ فتوائے کفر ایک معمولی چیز ہو کر رہ گئی ہے جو مدعی اسلام درحقیقت کافر ہیں ان کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ لوگ تو ایک دوسرے کو کافر کہا ہی کرتے ہیں، ہم بھی اس تکفیر بازی کے شکار ہیں۔

اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اس جگہ اس کو بھی واضح کر دیا جائے کہ کسی ایسے شخص کو جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے کافر قرار دینے میں انتہائی احتیاط لازم ہے، معمولی باتوں پر یا کسی محتمل اور مبہم کلام پر بغیر تحقیق مراد کے ایسا فتویٰ دینے میں اپنے ایمان کا خطرہ ہے، اس بے احتیاطی کے متعلق امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا مفصل مقالہ آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے ہیں، مزید توضیح و تاکید کے لئے مندرجہ ذیل سطور اور لکھی جاتی ہیں۔

تکفیر مسلم خود کفر ہے

حدیث صحیح میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:-

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال:
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ما اکفر رجل رجلا
الا بآء احدهما به، ان کان کافرا والا کفر بتکفیرہ.
وفی رواية: فقد وجب الکفر علی احدهما.

(ترغیب وترہیب المیزان واکفار ص: ۵۰)

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے
کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہیں تکفیر کرتا کوئی شخص کسی شخص کی
مگر ان دونوں میں سے ایک کفر کا مستحق ہو جاتا ہے، کیونکہ اگر وہ
شخص فی الواقع کافر تھا تب تو وہ کافر ہوا ہی، ورنہ یہ تکفیر کرنے
والا اس کی تکفیر کے سبب کافر ہو گیا۔ اور ایک روایت میں ہے
کہ: ان دونوں میں سے ایک پر کفر واجب ہو گیا۔

ایک شبہ اور جواب

خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کو کافر کہا گیا ہے، اگر وہ واقع میں کافر نہیں ہے تو
کہنے والا کافر ہو جائے گا، لیکن کفر کی جو تعریف بھس قرآن اور پر لکھی گئی ہے وہ بظاہر
اس شخص پر منطبق نہیں ہوتی جس نے کسی کو بلا وجہ شرعی غلط اور پر کافر کہہ دیا، کیونکہ ایسا
کہنے والے نے نہ خدا کی تکذیب کی اور نہ اس کے رسول کی، اسی لئے بعض فقہاء نے
اس کو محض تہدید و تحویف پر محمول کیا ہے، جیسے ترک صلوٰۃ پر ”فقد کفر“ کے الفاظ
بطور تہدید کے آئے ہیں، جن سے حقیقی کفر مراد نہیں۔

اور مختصر مشکل الآثار میں (حسب منقول از اکفار الملحدین ص: ۵۱) اور

امام غزالی نے اپنی کتاب ایثار الحق علی الخلق ص: ۴۳۲ میں اس کا یہ مطلب قرار دیا ہے کہ کسی کو کافر کہنے سے اس جگہ یہ مراد ہے کہ اس کے عقائد و خیالات کفر ہیں تو اگر فی الواقع اس کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں بلکہ سب عقائد ایمان کے ہیں تو گویا ایمان کو کفر کہنا لازم آئے گا، اور ایمان کو کفر کہنا بلاشبہ اللہ اور رسول کی تکذیب ہے، قرآن کا ارشاد ہے:-

وَمَنْ يُكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ. (۵:۵)

ترجمہ:- اور جو شخص ایمان سے انکار کرے اس کے

عمل ضائع ہو گئے۔

حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے عقائد میں کوئی چیز کفر کی نہیں خواہ اعمال اس کے کتنے ہی خراب ہوں، اس کو کافر کہنا جائز نہیں، بلکہ ایسے شخص کو کافر کہنے سے خود کہنے والے کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے، کیونکہ اس کو کافر کہنے کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ گویا ایمان کو کفر کہہ رہا ہے۔ اس تقریر سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جس شخص کے عقائد میں کوئی عقیدہ کفریہ ہے اس کی وجہ سے اگر کسی نے اس کو کافر کہہ دیا تو کہنے والا بالاتفاق کافر نہیں ہوگا کیونکہ اس نے ایمان کو کفر قرار نہیں دیا، اگرچہ حضرات فقہاء اور علمائے محققین نے ایسی حالت میں بھی اس کو کافر کہنے میں جلد بازی کرنے سے سختی سے منع کیا ہے جب تک کہ اس کے عقیدہ کفریہ یا کلمہ کفریہ کی کوئی جائز تاویل ہو سکتی ہے، اس کو کافر کہنا جائز نہیں سمجھا، تاہم اگر کسی کے کسی عقیدہ یا کلمہ کفر کو سن کر جلد بازی میں کافر کہہ دیا تو کہنے والا باجماع فقہاء کافر نہیں ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی کے متعلق غلط خبر یا غلط فہمی یا کسی اور وجہ سے کسی عقیدہ کفریہ کا دھوکا اور مغالطہ ہو، مثلاً: اس کو خیال ہو کہ فلاں آدمی نے - معاذ اللہ - کسی نبی کی توہین کی ہے یا اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی ہے تو ایسی صورت میں لازم تو یہ تھا کہ وہ اس خیال کی تحقیق کرتا اور خلاف واقعہ پا کر بدگمانی سے باز آ جاتا،

لیکن اس نے بے احتیاطی سے محض اپنے خیال کی بناء پر اس کو کافر کہہ دیا، اس صورت میں بھی کہنے والے نے چونکہ ایمان کو کفر نہیں کہا اس لئے کہنے والا کافر نہیں ہوگا، یہ دوسری بات ہے کہ بے احتیاطی کی وجہ سے گنہگار ہو۔

حضرات فقہاء نے اس معاملہ میں اس درجہ احتیاط کا حکم دیا ہے کہ اگر کسی شخص سے کوئی مشتبہ کلام سرزد ہو جائے جس میں سو احتمال میں سے ننانوے احتمالات مضمون کفر ہونے کے ہوں اور صرف ایک احتمال عبارت میں اس کا بھی ہو کہ اس کے کوئی صحیح اور جائز معنی بن سکتے ہوں تو مفتی پر لازم ہے کہ ننانوے احتمالات کو چھوڑ کر اسی ایک احتمال کی طرف مائل ہو اور اس کو کافر کہنے سے باز رہے، بشرطیکہ وہ خود اپنے کسی قول و فعل سے اس کی تصریح نہ کر دے کہ اس کی مراد وہی معنی ہیں جن سے کفر عائد ہوتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:-

اذا كان فى المسئلة وجوة توجب الكفر
ووجه واحد يمنع فعلى المفتى ان يميل الى ذلك
الوجه الا اذا صرح بارادة ما يوجب الكفر فلا ينفعه
التاويل حينئذ.

ترجمہ:- جب کسی مسئلہ میں متعدد وجوہ کفر کی موجب ہوں اور ایک وجہ مانع کفر ہو، تو مفتی کے ذمہ ضروری ہے کہ اس ایک وجہ کی طرف مائل ہو، مگر جبکہ قائل اُس وجہ کی تصریح کر دے جو موجب کفر ہے تو پھر تاویل سے اس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

تنبیہ:- یہ معلوم ہونا چاہئے کہ فقہاء کے اس کلام کے یہ معنی نہیں جو بعض جہلاء نے سمجھے ہیں کہ کسی شخص کے عفا نہ و اقوال میں ایک عقیدہ و قول بھی ایمان کا ہو تو اس کو مؤمن سمجھو، کیونکہ اگر یہ معنی ہوں تو پھر دنیا میں کوئی کافر حتیٰ کہ شیطان ابلیس بھی کافر نہیں رہتا، کیونکہ ہر کافر کا کوئی نہ کوئی عقیدہ اور قول تو ضرور ہی ایمان کے موافق ہوتا

ہے، بلکہ مقصد حضرات فقہاء کا یہ ہے کہ کسی شخص کی زبان سے نکلا ہوا کوئی کلمہ جو لغت و عرف کے اعتبار سے مختلف معانی پر محمول ہو سکتا ہے جن میں ایک معنی کے اعتبار سے یہ کلمہ عقیدہ کفریہ سے نکل جاتا ہے اور دوسرے تمام معانی اس کو عقیدہ کفریہ ٹھہراتے ہیں تو ایسی حالت میں مفتی پر لازم ہے کہ اس کے کلام کو صحیح معنی پر محمول کر کے اس کو مؤمن ہی قرار دے، بشرطیکہ وہ خود ایسی تصریح نہ کر دے کہ اس کی مراد معنی کفری ہیں۔

الغرض حدیث مذکور میں کسی مسلمان کو غلط طور پر کافر کہنے کو خود کہنے والے کے لئے کفر قرار دیا ہے، خواہ محض تہدید و تخویف کے لئے ہو، جیسا کہ بعض فقہاء نے سمجھا ہے (الیواقیت للشرانی) یا اس سے حقیقہ کفر مراد ہو، بہر دو صورت حدیث سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے کہ کسی مدعی اسلام کو کافر کہنے میں سخت احتیاط لازم ہے۔

اور اسی بناء پر محققین علماء و فقہاء نے ایسے کلمات و عقائد کی بناء پر جن کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو یا اس کے کوئی صحیح معنی کسی تاویل جائز سے بن سکتے ہوں، کسی مسلمان کی تکفیر کو جائز نہیں سمجھا۔

احتیاط کا دوسرا پہلو

جس طرح فروعی اختلافات کی وجہ سے یا کسی محتمل اور مبہم کلام کی وجہ سے یا کسی ایسے عقیدہ و کلمہ کی وجہ سے جس کے کفر ہونے میں علماء کا اختلاف ہو، کسی مسلمان کو کافر کہنا سخت بے احتیاطی اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے، کیونکہ اس صورت میں ایمان کو کفر کہنا لازم آتا ہے، ٹھیک اسی طرح کسی یقینی کافر کو مسلمان ٹھہرانا بھی نہایت خطرناک جرم اور اپنے ایمان کو خطرہ میں ڈالنا ہے، کیونکہ اس سے کفر کو ایمان قرار دینا لازم آتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ ایمان کو کفر یا کفر کو ایمان قرار دینا اگر اپنے اختیار و ارادہ سے ہو تو بلاشبہ کفر ہے، ورنہ کفر کے خطرہ سے تو خالی نہیں۔

علاوہ ازیں کسی کافر کو مسلمان کہہ دینا محض ایک لفظی سخاوت نہیں بلکہ پوری

ملت اور اسلامی معاشرہ پر ظلمِ عظیم ہے، کیونکہ اس سے پوری ملت کا معاشرہ متاثر ہوتا ہے، نکاح، نسب، میراث، ذبیحہ، امامت نماز اور اجتماعی اور سیاسی حقوق سبھی پر اثر پڑتا ہے، اس لئے کفر کی وہ صورت جس کو حسبِ تقریر مذکور اصطلاحِ شرع میں زندقہ اور الحاد کہا جاتا ہے، جس میں ایک شخص خدا اور رسول کے ماننے کا دل سے اور زبان سے معترف بھی ہے، اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ شعائرِ اسلام کا پابند بھی ہے، مگر اس کے ساتھ کچھ عقائدِ کفریہ رکھتا ہے یا ضرورتِ دین میں تاویلِ باطل کر کے احکامِ دین کی تحریف کرتا ہے، اس کا معاملہ نہایت خطرناک منزلۃ الاقدام ہے، اس میں ذرا سی بے احتیاطی ایک حقیقی مسلمان کو اسلام سے خارج بھی کر سکتی ہے اور ایک دشمنِ اسلام کافر کو اسلامی برادری کا مایہ آستین بھی بنا سکتی ہے، اور یہ دونوں خطرے ملت کے لئے بڑے عظیم اور ان کے عواقب و نتائج نہایت دور رس ہیں۔

فوائدِ ضروریہ

منقول از رسالہ وصول الافکار

ابتداءً زمانہ کی افراط و تفریط اور کفر و اسلام کے معاملہ میں بے احتیاطی دیکھ کر آج سے تیس سال پہلے ۱۳۵۱ھ میں احقر نے ایک سوال کے جواب میں مفصل مقالہ لکھا تھا، جو بنام ”وصول الافکار الی اصول الکفار“ شائع بھی ہو چکا ہے، اس جگہ بھی اس کا خلاصہ لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ ہے:-

حقیقت یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کافر یا کسی کافر کو مسلمان کہنا دونوں جانب سے نہایت ہی سخت معاملہ ہے، قرآن کریم نے دونوں صورتوں پر شدید نکیر فرمائی ہے، مسلمان کو کافر کہنے کے متعلق ارشاد ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتُ مُؤْمِنًا،

تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ،
كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنْ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا، إِنَّ اللَّهَ
كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا۔ (۹۴:۴)

ترجمہ:- اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں سفر کیا
کرو تو ہر کام کو تحقیق کر کے کیا کرو، اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے
سامنے اطاعت ظاہر کرے دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش میں
یوں مت کہہ دیا کرو کہ: ”تو مسلمان نہیں!“ کیونکہ خدا کے پاس
بہت غنیمت کے مال ہیں، پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ
نے تم پر احسان کیا سو غور کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی
پوری خبر رکھتے ہیں، یعنی جب تم اول مسلمان ہوئے تھے اگر تمہیں
بھی یہی کہہ دیا جاتا کہ: ”تم مسلمان نہیں!“ تو تم کیا کرتے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اپنا اسلام ظاہر کرے تو جب تک اس
کے کفر کی پوری تحقیق نہ ہو جائے اس کو کافر کہنا ناجائز اور وبالِ عظیم ہے۔
اسی طرح اس کے مقابل یعنی کسی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت اس آیت
میں ہے:-

اتَّبِرِدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ
فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا۔ (۸۸:۴)

ترجمہ:- کیا تم لوگ اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے
لوگوں کو ہدایت کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے گمراہی میں ڈال رکھا
ہے؟ اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں اس کے لئے کوئی
سبیل نہ پاؤ گے۔

تفسیر جلالین میں ”أَنْ تَهْدُوا“ کی تفسیر یہ کی ہے: ”ای تعدوہم من

جملۃ المہتدین“ یعنی کفار کو اہل ہدایت شمار کرنا۔

سلف صالح، صحابہ و تابعین اور مابعد کے ائمہ مجتہدین نے اس بارہ میں بڑی احتیاط سے کام لینے کی ہدایتیں فرمائی ہیں، حضرات متکلمین اور فقہاء نے اس باب کو نہایت اہم اور دشوار گزار سمجھا ہے اور اس میں داخل ہونے والوں کے لئے بہت زیادہ حیقت و بیداری کی تلقین فرمائی ہے۔

چنانچہ علامہ قاریؒ نے شرح شفا فصل ”تحقیق القول فی اکفار المتأولین“ میں امام الحرمین کا یہ قول نقل فرمایا ہے:-

ادخال کافر فی الملة الإسلامية او اخراج

مسلم عنها عظیم فی الدین۔ (شرح شفا ج ۲: ص ۵۰۰)

ترجمہ:- کسی کافر کو اسلام میں داخل سمجھنا یا مسلمان کو

اسلام سے خارج سمجھنا دونوں سخت چیزیں ہیں۔

لیکن آج کل اس کے برعکس یہ دونوں معاملے اس قدر سہل سمجھ لئے گئے ہیں کہ کفر و اسلام اور ایمان و ارتداد کا کوئی معیار اور اصول ہی نہ رہا۔

ایک جماعت ہے جس نے تکفیر بازی کو ہی مشغلہ بنا رکھا ہے، ذرا سی خلاف شرع بلکہ خلاف طبع کوئی بات سرزد ہوئی اور ان کی طرف سے کفر کا فتویٰ لگا، ادنیٰ ادنیٰ فرعی باتوں پر مسلمانوں کو اسلام سے خارج کہنے لگتے ہیں۔ ادھر ان کے مقابل دوسری جماعت ہے جن کے نزدیک اسلام و ایمان کوئی حقیقتِ مصلہ نہیں رہتی بلکہ وہ ہر اس شخص کو مسلمان کہتے ہیں جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے، خواہ تمام قرآن و حدیث اور احکام اسلامیہ کا انکار اور توہین کرتا رہے، ان کے نزدیک اسلام کے مفہوم میں ہر قسم کا کفر کپ سکتا ہے، انہوں نے ہندوؤں اور دوسرے مذاہبِ باطلہ کی طرح اسلام کو بھی محض ایک قومی لقب بنا دیا ہے کہ عقائد جو چاہے رکھے، اقوال و اعمال میں جس طرح چاہے آزاد رہے، وہ بہر حال مسلمان ہے، اور اس کو اپنے نزدیک وسعتِ خیال اور

وسعت و حوصلہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

لیکن اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ اس کج روی اور افراط و تفریط کے دونوں پہلوؤں سے سخت بیزار ہیں، اسلام نے اپنے پیروؤں کے لئے ایک آسانی قانون پیش کیا ہے، جو شخص اس کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کرے اور کوئی تنگی اپنے دل میں اس کے ماننے سے محسوس نہ کرے وہ مسلمان ہے، اور جو اس قانون الہی کے کسی قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے وہ بلاشبہ و بلا تردد دائرۃ اسلام سے خارج ہے، اس کے دائرۃ اسلام میں داخل رکھنے سے اسلام بیزار ہے، اور اس کے ذریعہ اسلامی برادری کی مردم شماری بڑھانے سے اسلام اور مسلمانوں کو غیرت ہے، اور ان چند لوگوں کے داخل اسلام ماننے سے ہزاروں مسلمانوں کے خارج از اسلام ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے، جیسا کہ بہت دفعہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہو چکا ہے۔

سوالِ اوّل

کفر و اسلام کا معیار کیا ہے؟ اور کس وجہ سے کسی مسلمان کو مرتد یا خارج از اسلام کہا جاسکتا ہے؟

الجواب!

ارتداد کے معنی لغت میں پھر جانے اور لوٹ جانے کے ہیں۔ اور اصطلاح شریعت میں ایمان و اسلام سے پھر جانے کو ارتداد، اور پھرنے والے کو مرتد کہتے ہیں، اور ارتداد کی صورتیں دو ہیں۔ ایک تو یہ کہ کوئی کم بخت صاف طور پر تبدیل مذہب کر کے اسلام سے پھر جائے، جیسے عیسائی، یہودی، آریہ سماجی وغیرہ مذہب اختیار کرے یا خداوند عالم کے وجود یا توحید کا منکر ہو جائے، یا آنحضرت ﷺ کی رسالت کا انکار کر دے۔

دوسرے یہ کہ اس طرح صاف طور پر تبدیل مذہب اور توحید و رسالت سے انکار نہ کرے، لیکن کچھ اعمال یا اقوال یا عقائد ایسے اختیار کرے جو انکار قرآن مجید یا انکار رسالت کے مرادف و ہم معنی ہوں، مثلاً: اسلام کے کسی ایسے ضروری و قطعی حکم کا انکار کر بیٹھے جس کا ثبوت قرآن مجید کی نص صریح سے ہو یا آنحضرت ﷺ سے بطریق تواتر ثابت ہوا ہو، یہ صورت بھی باجماع امت ارتداد میں داخل ہے اگرچہ اس ایک حکم کے سوا تمام احکام اسلامیہ پر شدت کے ساتھ پابند ہو۔

ایمان کی تعریف مشہور و معروف ہے جس کے اہم جزو دو ہیں، ایک حق سبحانہ و تعالیٰ پر ایمان لانا، دوسرے اس کے رسول ﷺ پر، لیکن جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ پر ایمان کے یہ معنی نہیں کہ صرف اس کے وجود کا قائل ہو جائے بلکہ اس کی تمام صفات کاملہ، علم، سمع، بصر، قدرت وغیرہ کو اسی شان کے ساتھ ماننا ضروری ہے جو قرآن و حدیث میں بتلائی ہیں، ورنہ یوں تو ہر مذہب و ملت کا آدمی خدا کے وجود و صفات کو مانتا ہے، یہودی، نصرانی، مجوسی، ہندو سب ہی اس پر متفق ہیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کا بھی یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ آپ کے وجود کو مان لے کہ آپ مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے، اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، تریسٹھ سال عمر ہوئی فلاں فلاں کام کئے، بلکہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی حقیقت وہ ہے جو قرآن مجید نے بالفاظ ذیل بتلائی ہے:-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا.
(۶۵:۴)

ترجمہ:- قسم ہے آپ کے رب کی! کہ یہ لوگ اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ آپ کو اپنے تمام نزاعات و اختلافات میں حکم نہ بنادیں اور پھر جو فیصلہ آپ

فرمادیں اس سے اپنے دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اس کو پوری طرح تسلیم کر لیں۔

روح المعانی میں اسی آیت کی تفسیر سلف سے اس طرح نقل فرمائی ہے:-

فقد روى عن الصادق رضى الله عنه انه قال:

لو ان قومًا عبدوا الله تعالى واقاموا الصلوة واتوا الزكوة وصاموا رمضان وحجوا البيت ثم قالوا لشيء صنعہ رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا صنع خلاف ما صنع او وجدوا في انفسهم لكانوا مشركين ثم تلا هذه الآية.

ترجمہ:- حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ:

اگر کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، اور نماز کی پابندی کرے، اور زکوٰۃ ادا کرے، اور رمضان کے روزے رکھے، اور بیت اللہ کا حج کرے، مگر پھر کسی ایسے فعل کو جس کا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو، یوں کہے کہ: ”آپؐ نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے خلاف کیوں نہ کیا؟“ اور اس کے ماننے سے اپنے دل میں تنگی محسوس کرے تو یہ قوم مشرکین میں سے ہے۔

آیت مذکورہ اور اس کی تفسیر سے واضح ہو گیا کہ رسالت پر ایمان لانے کی حقیقت یہ ہے کہ رسول کے تمام احکام کو ٹھنڈے دل سے تسلیم کیا جائے اور اس میں کسی قسم کا پس و پیش یا تردد نہ کیا جائے۔

اور جب ایمان کی حقیقت معلوم ہوگئی تو کفر و ارتداد کی صورت بھی واضح ہوگئی، کیونکہ جس چیز کے ماننے اور تسلیم کرنے کا نام ایمان ہے، اسی کے نہ ماننے اور انکار کرنے کا نام کفر و ارتداد ہے (صرح بہ فی شرح المقاصد) اور ایمان و کفر کی مذکورہ

تعریف سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ کفر صرف اسی کا نام نہیں کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ کو سرے سے نہ مانے، بلکہ یہ بھی اسی درجہ کا کفر اور نہ ماننے کا ایک شعبہ ہے کہ آنحضرت ﷺ سے جو احکام قطعی و یقینی طور پر ثابت ہیں ان میں سے کسی ایک حکم کے تسلیم کرنے سے (یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ حضور ﷺ کا حکم ہے) انکار کر دیا جائے، اگرچہ باقی سب احکام کو تسلیم کرے اور پورے اہتمام سے سب پر عامل بھی ہو۔

تنبیہ:- ہاں! اس جگہ دو باتیں قابلِ خیال ہیں، اول تو یہ کہ کفر و ارتداد اس صورت میں عائد ہوتا ہے جبکہ حکم قطعی کے تسلیم کرنے سے انکار اور گردن کشی کرے اور اس حکم کے واجب التعمیل ہونے کا عقیدہ نہ رکھے، لیکن اگر کوئی شخص حکم کو تو واجب التعمیل سمجھتا ہے مگر غفلت یا شرارت کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کو کفر و ارتداد نہ کہا جائے گا، اگرچہ ساری عمر ایک دفعہ بھی اس حکم پر عمل کرنے کی نوبت نہ آئے، مگر اس شخص کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اور پہلی صورت میں کہ کسی حکم قطعی کو واجب التعمیل ہی نہیں جانتا اگرچہ کسی وجہ سے ساری عمر اس پر عمل بھی کرتا رہے، جب بھی کافر و مرتد قرار دیا جائے گا، مثلاً: ایک شخص پانچوں وقت کی نماز کا شدت کے ساتھ پابند ہے، مگر فرض اور واجب التعمیل نہیں جانتا، یہ کافر ہے، اور دوسرا شخص جو فرض جانتا ہے مگر کبھی نہیں پڑھتا اگرچہ فاسق و فاجر اور سخت گناہ گار ہے۔

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے احکام اسلامیہ کی مختلف قسمیں ہوں گی ہیں، تمام اقسام کا اس بارہ میں ایک حکم نہیں، کفر و ارتداد صرف ان احکام کے انکار سے عائد ہوتا ہے جو قطعی الثبوت بھی ہوں اور قطعی الدلالة بھی، قطعی الثبوت ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کا ثبوت قرآن مجید یا ایسی احادیث سے ہو جن کے روایت کرنے والے آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک سے لے کر آج تک ہر زمانہ اور ہر قرن میں مختلف طبقات اور مختلف شہروں کے لوگ اس کثرت سے رہے ہوں کہ ان سب کا جھوٹی بات پر اتفاق کر لینا محال سمجھا جائے (اسی کو اصطلاح میں ”تواتر“ اور

ایسی احادیث کو ”احادیث متواترہ“ کہتے ہیں۔

اور قطعی الدلالة ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو عبارت قرآن مجید میں اس حکم کے متعلق واقع ہوئی ہے یا حدیث متواترہ سے ثابت ہوئی ہے وہ اپنے مفہوم اور مراد کو صاف صاف ظاہر کرتی ہو، اس میں کسی قسم کی الجھن یا ابہام نہ ہو کہ جس میں کسی کی تاویل چل سکے۔

پھر اس قسم کے احکام قطعیہ اگر مسلمانوں کے ہر طبقہ خاص و عام میں اس طرح مشہور و معروف ہو جائیں کہ ان کا حاصل کرنا کسی خاص اہتمام اور تعلیم و تعلم پر موقوف نہ رہے بلکہ عام طور پر مسلمانوں کو درلشہ وہ باتیں معلوم ہو جاتی ہوں، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا فرض ہونا، چوری، شراب خوری کا گناہ ہونا، آنحضرت ﷺ کا خاتم الانبیاء ہونا، وغیرہ، تو ایسے احکام قطعیہ کو ”ضروریات دین“ کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جو اس درجہ مشہور نہ ہوں وہ صرف ”قطعیات“ کہلاتے ہیں ضروریات نہیں۔

اور ضروریات اور قطعیات کے حکم میں یہ فرق ہے کہ ضروریات دین کا انکار باجماع امت مطلقاً کفر ہے، ناواقفیت و جہالت کو اس میں عذر نہ قرار دیا جائے گا اور نہ کسی قسم کی تاویل سنی جائے گی۔

اور قطعیات محضہ جو شہرت میں اس درجہ کو نہیں پہنچیں تو حنفیہ کے نزدیک اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر کوئی عام آدمی بوجہ ناواقفیت و جہالت کے انکار کر بیٹھے تو ابھی اس کے کفر و ارتداد کا حکم نہ کیا جائے گا، بلکہ پہلے اس کو تبلیغ کی جائے گی کہ یہ حکم اسلام کے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت احکام میں سے ہے، اس کا انکار کفر ہے، اس کے بعد بھی اگر وہ اپنے انکار پر قائم رہے تب کفر کا حکم کیا جائے گا۔

کما فی المسائرة والمسارة لابن الہمام
ولفظہ واما ما ثبت قطعاً ولم يبلغ حد الضرورة

کاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت الصلیبة
 باجماع المسلمین فظاهر کلام الحنفیۃ الاکفار
 بجحدہ بانہم لم یشرطوا فی الاکفار سوى القطع فی
 الثبوت (الی قولہ) ویجب حملہ علی ما اذا علم المنکر
 ثبوته قطعاً. (مسامرہ ص: ۱۴۹)

ترجمہ:- اور جو حکم قطعی الثبوت تو ہو مگر ضرورت کی حد
 کو نہ پہنچا ہو جیسے (میراث میں) اگر پوتی اور بیٹی حقیقی جمع ہوں
 تو پوتی کو چھنا حصہ ملنے کا حکم اجماع امت سے ثابت ہے، سو
 ظاہر کلام حنفیہ کا یہ ہے کہ اس کے انکار کی وجہ سے کفر کا حکم کیا
 جاوے کیونکہ انہوں نے قطعی الثبوت ہونے کے سوا اور کوئی شرط
 نہیں لگائی (الی قولہ) مگر واجب ہے کہ حنفیہ کے اس کلام کو اس
 صورت پر محمول کیا جاوے کہ جب منکر کو اس کا علم ہو کہ یہ حکم
 قطعی الثبوت ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح کفر و ارتداد کی ایک قسم تبدیل مذہب ہے،
 اسی طرح دوسری قسم یہ بھی ہے کہ ضروریات دین اور قطعیات اسلام میں سے کسی چیز کا
 انکار کر دیا جائے یا ضروریات دین میں کوئی ایسی تاویل کی جائے جس سے ان کے
 معروف معانی کے خلاف معنی پیدا ہو جائیں، اور غرض معروف بدل جائے۔
 ضابطہ تکفیر

اس لئے تکفیر مسلم کے بارہ میں ضابطہ شرعیہ یہ ہو گیا کہ جب تک کسی شخص کے
 کلام میں تاویل صحیح کی گنجائش ہو اور اس کے خلاف کی تصریح متکلم کے کلام میں نہ ہو، یا
 اس عقیدہ کے کفر ہونے میں ادنیٰ سے ادنیٰ اختلاف ائمہ مجتہد میں واقع ہو اس وقت تک

اس کے کہنے والے کو کافر نہ کہا جائے، لیکن اگر کوئی شخص ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار کرے یا کوئی ایسی ہی تاویل و تحریف کرے جو اس کے اجماعی معانی کے خلاف معنی پیدا کر دے تو اس شخص کے کفر میں کوئی تاہل نہ کیا جائے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم!

تمتہ مسئلہ از امداد الفتاویٰ (جلد سادس)

یہ کل بیان اس صورت میں تھا جبکہ کسی شخص یا جماعت کے متعلق عقیدہ کفر یہ رکھنا یا اقوال کفریہ کا کہنا متیقن طریق سے ثابت ہو جائے، لیکن اگر خود اسی میں کسی موقع پر شک ہو جائے کہ یہ شخص اس عقیدہ کا معتقد یا اس قول کا قائل ہے یا نہیں؟ تو اس کے لئے احوط و اسلم وہ طریق ہے جو امداد الفتاویٰ میں درج ہے، جس کو بعینہ ذیل میں بطور تمہ نقل کیا جاتا ہے۔

اگر کسی شخص کے متعلق یا کسی خاص جماعت کے متعلق حکم بالکفر میں تردد ہو خواہ تردد کے اسباب علماء کا اختلاف ہو، خواہ قرائن کا تعارض ہو یا اصول کا غموض تو اسلم یہ ہے کہ نہ کفر کا حکم کیا جاوے نہ اسلام کا، حکمِ اول میں تو خود اس کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، اور حکمِ ثانی میں دوسرے مسلمانوں کے معاملات کے اعتبار سے بے احتیاطی ہے، پس احکام میں دونوں احتیاطوں کو جمع کیا جائے گا، یعنی اس سے نہ عقد مناکحت کی اجازت دیں گے، نہ اس کی اقتداء کریں گے، نہ اس کا ذبیحہ کھائیں گے اور نہ اس پر سیاست کافرانہ جاری کریں گے۔ اگر تحقیق کی قدرت ہو اس کے عقائد کی تفتیش کریں گے اور اس تفتیش کے بعد جو ثابت ہو ویسے ہی احکام جاری کریں گے، اور اگر تحقیق کی قدرت نہ ہو تو سکوت کریں گے اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں گے، اس کی نظیر وہ حکم ہے جو اہل کتاب کی مشتبہ روایات کے متعلق حدیث میں وارد ہے:-

لا تصدقوا اهل الكتاب ولا تكذبوهم و قولوا

امنا بالله وما انزل الینا. الآیة. رواه البخاری.

ترجمہ:- نہ اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب، بلکہ یوں کہو کہ: ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس وحی پر جو ہم پر نازل ہوئی..... الخ۔
دوسری فقہی نظیر احکام خنثی کے ہیں:-

يؤخذ فيه بالاحوط والاوثق في امور الدين
وان لا يحكم بثبوت حكم وقع الشك في ثبوته واذا
وقف خلف الامام قام بين صف الرجال والنساء ويصلي
بقناع ويجلس في صلوته جلوس المرأة ويكره له في
حياته لبس الحلى والحريز وان يخلوا به غير محرم من
رجل او امرأة او يسافر مع غير محرم من الرجال
والاناث ولا يغسله رجل ولا امرأة وتيمم بالصعيد
ويكفن كما يكفن الجارية وامثاله مما فصله الفقهاء.

ترجمہ:- خنثی مشکل کے بارہ میں امور دین میں وہ صورت اختیار کی جاوے جس میں احتیاط ہو اور کسی ایسی چیز کے ثبوت کا اس پر حکم نہ کیا جاوے جس کے ثبوت میں شک ہو، اور جب وہ امام کے پیچھے نماز کی صف میں کھڑا ہو تو مردوں اور عورتوں کی صف کے درمیان میں کھڑا ہو، اور عورتوں کی طرح دوپٹہ اڈھ کر نماز پڑھے اور قعدہ میں اس طرح بیٹھے جیسے عورتیں بیٹھتی ہیں، اور اس کے لئے زیور اور ریشمی کپڑا پہننا مکروہ ہے اور یہ بھی مکروہ ہے کہ کوئی مرد یا عورت غیر محرم اس کے ساتھ خلوت میں بیٹھے یا ایسے مرد یا عورت کے ساتھ سفر کرے جو اس کا محرم نہ

ہو، اور مرنے کے بعد اس کو نہ کوئی مرد غسل دے نہ عورت، بلکہ
تیمم کرا دیا جاوے اور کفن ایسا دیا جاوے جیسا لڑکیوں کو دیا جاتا
ہے، اور اسی طرح دوسرے احکام جن کو فقہاء نے مفصل لکھا ہے۔

خلاصہ رسالہ

مع جواب بعض شبہات

اس معاملہ میں سب سے پہلی بات قابلِ نظر یہ ہے کہ دائرۃ اسلام سے نکلنے
یا کافر ہونے کے لئے اس کا قصد و ارادہ ضروری نہیں، شیطانِ اکبر ”ابلیس“ نے کافر
ہونے کا ارادہ نہیں کیا تھا مگر اس کی حرکت نے اس کو کافر بنا دیا، اسی کے متعلق قرآن
مجید میں آیا ہے:

وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ. (۳۴:۲) (اور تھا وہ کافروں میں سے)

قرنِ اوّل میں مانعینِ زکوٰۃ اور مسیلہ کذاب کے متبعین نے بھی ملتِ
اسلامیہ کو چھوڑا نہیں تھا، مگر باجماع صحابہ، اسلام سے خارج قرار دیئے گئے، وجہ یہ ہے
کہ اگر تاویل کے ساتھ انکار کرنے کو، مطلقاً انکار و تکذیب سے خارج قرار دیا جائے تو
پھر دنیا میں کوئی بڑے سے بڑا کافر بھی دائرۃ اسلام سے خارج نہیں کیا جاسکتا، بلکہ
”بت پرست“ اور ”یہود و نصاریٰ“ سبھی کو مسلمان کہنا پڑے گا، کیونکہ شیطان ابلیس
نے نہ کبھی خدا کا انکار کیا، نہ اس کی خدائی کا، نہ اس کی کسی صفت کا، بلکہ اس نے تو
صرف غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا، وہ تو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں ”موحد اعظم“
ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کی اس سرکشی کو تکذیب ہی کے حکم میں رکھ کر کفرِ عظیم قرار
دیا، اسی طرح عام بت پرست اپنے بتوں کی پرستش کی کبھی یہ تاویل کرتے ہیں کہ ہم
بتوں کو خود خدا نہیں مانتے بلکہ ان کو قربِ الہی کا ذریعہ سمجھ کر رضا جوئی کے لئے ان کی
عبادت کرتے ہیں، خود قرآن کریم نے بت پرستوں کی اس تاویل کو ذکر کر کے ناقابلِ

التفات قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:-

مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ (۳:۳۹)

ترجمہ:- ہم بتوں کی عبادت صرف اس لئے کرتے

ہیں کہ یہ ہمیں اللہ تعالیٰ سے قریب کر دیں۔

اور کہیں یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ بت براہ راست خدا نہیں بلکہ خدا کی ملک ہیں، مگر غایتِ تقرب کی وجہ سے یہ بھی علم و قدرت وغیرہ میں خدا کے شریک ہیں، حدیث میں ہے کہ مشرکین عرب اپنے حج میں بطور تلبیہ کہا کرتے تھے:-

لا شریک لک الا شریکا ہو لک۔

ترجمہ:- تیرا کوئی شریک نہیں، بجز اس کے جو تیری ہی

ملک سے ہے یعنی بت وغیرہ۔

الغرض بت پرست اور مشرکین بھی کلمہ لا الہ الا اللہ کی صریح مخالفت نہیں کرتے بلکہ تاویل کی راہ اختیار کرتے ہیں، لیکن قرآن و حدیث نے ایسی تاویلاتِ باطلہ کو تکذیب و انکار ہی کا مرادف قرار دے کر ان سب کو کافر ہی کہا ہے، کیونکہ قرآن و حدیث کی تصریحات دربارہ توحید ”لا شریک لک“ سے کسی فرد کے استثناء کی متحمل نہیں، اور ”لا الہ الا اللہ“ کا عموم اپنے ظاہری معنی پر بلا کسی تخصیص و استثناء کے امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے۔

اسی طرح جو شخص آیت: ”خاتم النبیین“ یا حدیث: ”لا نبی بعدی“ میں امت مسلمہ کے اجماعی عقیدہ کے خلاف کسی تخصیص و استثناء کی راہ نکالے کہ آپؐ خاتم الانبیاء تو ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا، مگر بجز اس کے جو ظنی و بروزی طور پر خود آنحضرت ﷺ کا عین یا ظل ہو، تو یہ درحقیقت مشرکین عرب کی اسی تاویل کا چرہ ہے جو وہ ”لا شریک ہو لک“ سے کیا کرتے تھے۔

اگر خاتم النبیین اور لا نبی بعدی میں تاویلاتِ باطلہ کرنے والے کو

دائرہ اسلام سے خارج نہ سمجھا جائے تو پھر بت پرست اور مشرکین کو، بلکہ ان کے معلم و امام ابلیس کو بھی دائرہ اسلام سے خارج یا کافر نہیں کہہ سکتے۔

اور جو لوگ ایسی تاویلات باطلہ کر کے امت کے اجماعی عقائد اور قرآن و حدیث کی واضح تصریحات کی تکذیب کرنے والوں کو امت اسلامیہ سے علیحدہ کرنے کو اس لئے برا سمجھتے ہیں کہ اس سے اسلامی برادری کو نقصان پہنچتا ہے، ان کی تعداد کم ہوتی ہے یا ان میں تفرقہ پڑتا ہے، تو انہیں غور کرنا چاہئے کہ اگر تفرقہ اور اختلاف سے بچنے کے یہی معنی ہیں کہ کوئی کچھ کیا کرے اور کہا کرے، مگر اس کو دائرہ اسلام سے خارج نہ سمجھا جائے تو پھر ان مٹھی بھر ملاحدہ و زنادقہ سے ملت کو کیا سہارا لگتا ہے؟ ایسی پوچ تاویلات کے ذریعہ تو سارے جہان کے کافروں کو ملت اسلامیہ میں شامل کیا جاسکتا ہے، اگر ایسی ہی رواداری کرنا ہے تو پیٹ بھر کے کی جائے تاکہ دنیا کی ساری قومیں اور سلطنتیں اپنی ہو جائیں اور یہ کفر و ایمان کی جنگ ہی ختم ہو جائے۔

لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس روشن خیالی اور رواداری کے ساتھ قرآن سے ہاتھ دھونا پڑیں گے:-

فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ مُؤْمِنٌ (۲:۶۳)

ترجمہ:- بعض تم میں کافر ہیں، اور بعض تم میں مؤمن

ہیں۔

کا اعلان کیا، اور جس نے ”حزب اللہ“ اور ”حزب الشیطان“ کا تفرقہ قائم کیا، اور جس کا تقریباً آدھا حصہ کفر اور کفار کے ساتھ جہاد و خلاف سے لبریز ہے۔

یہ کافر بنانا نہیں بتانا ہے!

آج کل بہت سے وہ لوگ جو اصول دین سے واقف نہیں، ملحدین کے ظاہری نماز، روزہ وغیرہ سے متاثر ہو کر ان کو کافر قرار دینے والے علماء پر یہ الزام لگایا

کرتے ہیں کہ یہ مسلمانوں کو کافر بناتے ہیں، مذکور الصدر دلائل سے واضح ہو گیا کہ وہ کسی کو کافر بناتے نہیں، البتہ جو خود اپنے عقائد کفریہ کی وجہ سے کافر ہو جائے اس کا کافر ہونا مسلمانوں کو بتاتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ تکذیب رسول کی یہ صورت، جس کا نام ”زندقہ و الحاد“ ہے، تکذیب و کفر کی بدترین اور اسلام اور مسلمانوں کے لئے ہر کفر سے زیادہ خطرناک ہے، ”ابلیس“ جیسا کافر اسی قسم تکذیب کی وجہ سے کافر قرار دیا گیا ہے۔

لیکن یہ تکذیب چونکہ صاف تکذیب کے رنگ میں نہیں ہوتی اس لئے خود مسلمان بھی اس میں اکثر دھوکا کھاتے ہیں، خصوصاً جبکہ اس کا مرتکب عام شعائر اسلام، نماز، روزہ، تلاوت اور قرآن وغیرہ کا پابند ہو۔

اس لئے ضرورت تھی کہ قرآن و حدیث اور اکابر امت کی تصریحات سے اس کی اصل حقیقت کو واضح کیا جائے، سو بحمد اللہ اس رسالہ میں اس کی مکمل تفصیل آگئی، جس سے واضح ہو گیا کہ اسلام کے قطعی اور یقینی احکام کو بذریعہ تاویلات ان کے منصوص اور اجماعی مفہوم سے پھیر کر اس کے خلاف کسی مفہوم پر محمول کرنا، درحقیقت رسول کی تکذیب ہے۔

اسی کے ضمن میں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حدیث میں جو اہل قبلہ کی تکفیر کو منع کیا گیا ہے، اس کا یہ مفہوم نہیں کہ جو قبلہ کی طرف منہ کرے، وہ مسلمان ہے، بلکہ یہ شرع اسلام کا ایک اصطلاحی لفظ ہے، جو صرف ان لوگوں کے لئے بولا جاتا ہے جو اسلام کے عام شعائر، نماز وغیرہ مسلمانوں کی طرح ادا کرتے ہوں اور ان سے کوئی قول و فعل ایسا سرزد نہ ہو، جس سے رسول (ﷺ) کی تکذیب ہوتی ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

حررہ العبد الضعیف محمد شفیع عفا اللہ عنہ

ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ جنوری ۱۹۵۴ء